احکامِ بیع

محمد طاہر منصوری

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً

اِدارۂ تحقیقاتِ اسلامی
(اسلام آباد — پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ — مصادر فقہ اسلامی

۱- حدود و تعزیرات (ترتیب و تدوین: احمد حسن، صدیق ارشد خلجی، غلام مرتضیٰ آزاد)

۲- قصاص و دیت (ترتیب و تدوین: میاں صدیقی بہ تعاون صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، علی احمد انصاری)

۳- اصول الکرخی (تصنیف: عبید اللہ بن حسین الکرخی، ترجمہ: عبد الرحیم اشرف بلوچ)

۴- ادب القاضی (ترتیب و تدوین: محمود احمد غازی)

۵- ربوا اور مضاربت (ترتیب و تدوین: محمد میاں صدیقی، نور محمد غفاری، غلام مرتضیٰ آزاد،
صدیق ارشد خلجی، عبد الرحیم اشرف بلوچ، حافظ محمد یونس)

۶- احکامِ شرکت (ترتیب و تدوین: حافظ محمد یونس)

۷- حدود و تعزیرات، قصاص و دیت (از روئے فقہ جعفری)
(ترتیب و تدوین: سید علی رضا نقوی بہ تعاون آغا علی ناشر، محمد نعیم، ایم۔ ایس۔ ناز،
حافظ محمد عمران)

۸- احکامِ بلوغت (ترتیب و تدوین: محمود احمد غازی، عبد الرحیم اشرف بلوچ)

۹- احکامِ رہن، کفالہ و حوالہ (ترتیب و تدوین: غلام عبد الحق محمد)

۱۰- احکامِ وقف (ترتیب و تدوین: غلام عبد الحق محمد)

۱۱- احکامِ طلاق (ترتیب و تدوین: حبیب الرحمٰن)

۱۲- احکامِ بیع (ترتیب و تدوین: محمد طاہر منصوری)

احکامِ بیع

محمد طاہر منصوری

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی — اسلام آباد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی
کوائف فہرست سازی دورانِ طباعت

منصوری، محمد طاہر
احکامِ بیع
۱۔ معاہدۂ بیع (فقہ اسلام) ۲۔ اسلام، قانون، معاشیات
الف۔ عنوان ب۔ سلسلہ

اشاعت اول فروری ۲۰۰۵ء

ISBN-969-408-(250-1)

مطبع: مطبع ادارہ تحقیقاتِ اسلامی - اسلام آباد

فہرستِ عنوانات

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا از حد احسان وکرم ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی ''مصادر فقہ اسلامی'' کے اپنے مقبول سلسلے کی ایک اور کتاب پیش کر رہا ہے۔ اس کتاب ''احکامِ بیع'' میں بھی سلسلے کی سابق کتابوں کی طرح پہلے زیر بحث موضوع پر اہم قرآنی آیات اور احادیث نقل کی گئی ہیں، اور پھر مناسب ابواب اور عنوانات کے تحت ان نصوص کی وہ تشریح وتعبیر درج کی گئی ہے جو صدیوں پر محیط عرصے میں اسلامی معاشروں میں رائج رہی ہے۔ ''احکامِ بیع'' سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ خرید وفروخت کی کون کون سے شکلیں جائز ہیں اور کن شکلوں سے اجتناب واحتراز ضروری ہے، وہیں یہ واضح ہوتا ہے کہ بنیادی امور میں اتفاق کے باوجود اسلاف نے جزئیات میں باہم دگر اختلاف کیا ہے۔ معاصر اہل علم ودانش میں اختلاف جہاں اُن کے زاویہ نظر اور معلومات میں کمی بیشی کے سبب ہے، وہیں ایک ہی زاویہ نظر رکھنے والے زمان ومکان کے اختلاف کی وجہ سے ایک رائے پر جمع نہیں ہو سکے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی صاحبِ علم کی متعین موضوع پر ایک سے زائد آراء نقل کی گئی ہیں۔ ان اصحابِ دانش نے دستیاب معلومات پر مناسب غور وفکر کے بعد رائے قائم کی، اور جب اُن کی معلومات میں اضافہ ہوا، یا پہلی معلومات کی کمزوریاں اُن پر واضح ہوگئیں تو انہوں نے اپنی سابق رائے سے رجوع کر لیا، اور دوسری رائے پیش کی۔

دنیا کے سبھی زندہ معاشروں میں، چاہے وہ الٰہی تعلیمات کی تشریح وتعبیر کو بنیادی اہمیت دیتے ہوں، یا انسانی عقل وشعور کی آزادانہ پرواز کے قائل ہوں، قانون سازی کا عمل اسی طرح

آگے بڑھتا ہے، اور معاشرے کے مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

سلسلۂ ''مصادر فقہ اسلامی'' کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ ماہرینِ قانون جو مصادرِ قانون اسلامی سے براہِ راست استفادہ نہیں کر سکتے، اسلاف کے غور وفکر سے آگاہ ہو جائیں، البتہ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ جس طرح اسلاف نے پیش آمدہ مسائل میں پورے اخلاص اور گہرے غور وفکر کے ساتھ، نیز قرآن وسنت کے محور کے ساتھ پیوستہ رہتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا، ان کے اس طرزِ عمل کو فروغ ملے، اور وطنِ عزیز میں اسلامی قانون اسی طرح جاری ہو جائے جیسے ماضی کے مسلمان معاشروں میں اس کا چلن تھا۔

ہمارے رفیقِ کار جناب محمد طاہر منصوری کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے مجلسی روابط اور بھرپور کاوشوں کے ذریعے ''مصادر فقہ اسلامی'' کے پروجیکٹ میں وطنِ عزیز کے متعدد اہل علم ودانش کو شامل کیا ہے، بلکہ انہوں نے خود بھی ایک سے زائد موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ''احکامِ بیع'' اِس جانب اُن کی اولیں پیش رفت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اِس پروجیکٹ کو تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

۲۶ جنوری ۲۰۰۵ء

شعبۂ تالیف وترجمہ
ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

مقدمہ

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ اسلام کی نگاہ میں انسان کا مال اسی طرح محترم و مقدس ہے جس طرح اس کی جان اور عزت و آبرو مقدس ہیں۔ اسلام دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، اور باہمی رضامندی سے طے پانے والے معاہدۂ خرید و فروخت کو حصول مال کا ایک جائز وسیلہ قرار دیتا ہے۔ احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ ایسے ناجائز معاہدوں کا ذکر ملتا ہے جن میں ایک فرد دھوکے، فریب، جھوٹی قسم، قیمت بڑھانے کی غرض سے جھوٹی بولی اور دیگر ناجائز طریقوں سے دوسرے فرد کی حقیقی رضامندی پر اثرانداز ہوتا ہے، اور کسی کا مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح احادیث میں غرر، یعنی غیر یقینی امور پر مشتمل سودوں کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ غرر (uncertainty) ربا کی طرح بلا استحقاق کسبِ منفعت کی ایک شکل ہے۔ قرآن و سنت سے مستنبط فقہ اسلامی کے ذخیرے میں بھی جائز و ناجائز مالی معاملات پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔ فقہائے کرام نے کسبِ مال کے جو جائز ذرائع بیان کیے ہیں ان میں معاہدۂ بیع و شراء، ہبہ، وصیت اور وراثت وغیرہ شامل ہیں۔ معاہدۂ بیع حصول مال کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

یہ بات بالخصوص قابل ذکر ہے کہ فقہ کی کتب میں معاملات کے بارے میں بحث عموماً بیوع کے باب سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کی نگاہ میں معاہدۂ بیع وہ اصل اور

بنیاد ہے جس پر معاہدات کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ معاہدۂ بیع باقی معاہدات کے لیے بنیادی اصول وضوابط فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء ایجاب وقبول، موضوعِ معاہدہ اور فریقین معاہدہ کی اہلیت جیسے موضوعات پر گفتگو عموماً بیوع کے باب میں کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ امور معاہدے کے عمومی اصول ہیں جو دیگر معاہدات جیسے اجارہ، ہبہ، وکالۃ، شراکت اور مضاربت وغیرہ پر بھی یکساں طور پر لاگو ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں بیع سے متعلق اہم احکام فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کا موادفقہ کی بنیادی اور مستند کتابوں سے لیا گیا ہے۔ عربی اقتباسات کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ترجمے کی زبان رواں، سادہ، سہل اور عام فہم ہو، اوراس کے ساتھ ہی مختلف مسائل پر فقہاء کا نقطۂ نظر ممکنہ صحت واحتیاط کے ساتھ نقل کیا جائے۔

ابواب کی ترتیب میں اسلامی قانونِ معاہدہ کی معاصر کتابوں کا منہج سامنے رکھا گیا ہے اور معاہدۂ بیع کی اقسام اوراس کے ارکان وشرائط کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے باب اول میں بیع وشراء سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا باحوالہ متن اوران کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر آیات واحادیث کے بعد تشریحی نوٹس بھی دیے گئے ہیں۔ باب دوم میں معاہدۂ بیع کا مفہوم اور بیع کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ اس میں بیع کی اقسام — مرابحہ، سلم، صرف، استصناع، بیع باطل، بیع فاسد اور بیع موقوف — کو متعارف کرایا گیا ہے۔ باب سوم میں معاہدۂ بیع کے ارکان کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں تشکیل معاہدہ کے اسالیب، مبیع کی شرائط اور فریقین معاہدہ کی اہلیت جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب چہارم معاہدے کی شرائط کے بارے میں ہے۔ اس باب میں ایسی شرائط کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے جو فریقین معاہدہ باہمی رضامندی سے طے کرسکتے ہیں۔ باب پنجم میں ناجائز وممنوعہ بیوع کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں غرر، ربا، دھوکے اور ضرر رسانی کی بناء پر ممنوعہ سودوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ باب ششم، خیارات کے بارے میں ہے۔ شریعت نے

بائع و مشتری کو سودا فسخ کرنے کا جو حق دیا ہے، اس کی تفصیلات اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔ اس میں خیار مجلس، خیار شرط، خیار رؤیت، خیار غبن اور خیار عیب کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔

ان ابواب کے مباحث مذاہبِ اربعہ کی اہم اور بنیادی کتب سے ماخوذ ہیں۔ زیر بحث موضوعات پر چاروں مسالک کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے، تاہم بعض مقامات پر صرف ایک یا دو مسالک کے نقطہ ہائے نظر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ آخر میں ان تمام فقہی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے جو کتاب میں استعمال ہوئی ہیں، نیز کتاب میں جن بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اسلامی قانون تجارت سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے ایک مفید علمی کوشش ثابت ہوگی۔

ادارہ تحقیقات اسلامی — محمد طاہر منصوری

اسلام آباد

باب اوّل

خرید وفروخت سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث

فصل اوّل: قرآنی آیات

- خرید وفروخت کی حلت اور سود کی حرمت

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (البقرہ ۲: ۲۳۲)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہ ہوں گے، مگر اس طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھوکر خبطی بنادے، یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔

- لین دین میں باہمی رضامندی کی ضرورت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ. وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ. اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (النساء ۴: ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو۔ اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

تشریح: بالباطل میں دھوکا، فریب، رشوت، جوا، سود اور کسب دولت کے دیگر تمام ایسے ذرائع

شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، حرام اور ممنوعہ چیزوں کا کاروبار بھی ناجائز طریقے سے مال کمانے کی ایک صورت ہے۔

- لین دین کے معاہدے پر گواہی

وَاشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ ۲: ۲۸۲)

اور خرید و فروخت کے وقت گواہ مقرر کر لیا کرو۔

- معاہدۂ دین کو تحریر میں لانے کی ترغیب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (البقرہ ۲:۲۸۲)

اے ایمان والو! جب بھی تم دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

- اذانِ جمعہ کے بعد بیع و شراء کی ممانعت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الجمعۃ ۶۲: ۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

- نماز جمعہ کے بعد کاروبار کی اجازت

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعۃ ۶۲:۱۰)

تو جب نماز ختم ہو جائے اس وقت تم زمین میں چل پھر سکتے ہو اور اللہ کا فضل یعنی روزی کی تلاش کر سکتے ہو، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اس طرح تم فلاح حاصل کر سکو گے۔

- ناپ تول میں کمی کی ممانعت

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام ۶:۱۵۲)

اور ناپ تول پورا کرو، انصاف کے ساتھ۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (الشعراء ۲۶: ۱۸۲-۱۸۳)

اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو، بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمن ۵۵:۸- ۹)

میزان میں خلل نہ ڈالو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (المطففين ۸۳:۱-۳)

تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھٹا کر دیتے ہیں۔

- معاہدے کی پابندی

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ ۵ : ۱)

اے ایمان والو! معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔

فصل دوم: احادیث نبوی

- اشیاء جن کی بیع ناجائز ہے۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب ومهر البغي وحلوان الكاهن.(صحيح بخاري ، كتاب البيوع ،باب ثمن الكلب:۲۲۳۷)

ابومسعود انصاری روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، بدکارعورت کی کمائی اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔

قال أبي جحيفة رضي الله عنه : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب الأمة ولعن الواشمة المستوشمة وأكل الربا وموكله ولعن المصور.(صحيح بخاري، كتاب البيوع ، باب ثمن الكلب: ٢٢٣٨)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور لونڈی کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور لعنت فرمائی ہے گودنے والی، گدوانے والی عورتوں پر، سود کھانے والے پر، دوسرے کو کھلانے والے پر اور تصویریں بنانے والے پر۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة : إن الله ورسوله حرم بيع الخمر و الميتة و الخنزير و الأصنام ' فقيل: يا رسول الله أرأيت شحوم الميتة فإنها يطلى بهاالسفن ويدهن بهاالجلود ويستصبح بهاالناس؟فقال لا، هو حرام ثم قال رسول الله ﷺ عند ذلك: قاتل الله اليهود إن الله لماحرم شحومها جملوه ثم باعوه فأكلوا ثمنه.(صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب بيع الميتة والأصنام: ٢٢٣٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن کہتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام قرار دی ہے، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! مردہ جانوروں کی

چربی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے اور کشتیوں کو چکنا کیا جاتا ہے، لوگ اسے روشنی کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ حرام ہے۔ پھر آپ نے مزید فرمایا: اللہ یہودیوں کو غارت کرے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کردی تو انہوں نے اسے پگھلایا، پھر بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔

عن عائشة رضي الله عنها : لما نزلت آيات سورة البقرة عن آخرها خرج النبي صلى الله عليه وسلم فقال: حرمت التجارة في الخمر.(صحيح بخاري، كتاب البيوع ،باب تحريم التجارة في الخمر: ٢٢٢٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمایا: شراب کی تجارت حرام قرار دے دی گئی ہے۔

عن انس بن مالک رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشترى لها والمشتراة له.(سنن ترمذي، كتاب البيوع ، باب النهي أن يتخذ الخمر خلا: ١٢٩٥، سنن ابن ماجه، كتاب الأشربه، باب لعنت الخمر علي عشرة أوجه: ٣٣٨١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت کی ہے: شراب نچوڑنے والے پر، نچڑوانے والے پر، پینے والے پر، لے جانے والے پر، جس کی طرف لے جائی گئی ہو اس پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، خریدنے والے پر، اور

جس کے لیے خریدی گئی ہے اس پر۔

- بیع ملامسہ اور بیع منابذہ کی ممانعت

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين ولبستين : نهى عن الملامسة والمنابذة في البيع. (صحيح مسلم ،كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة و المنابذة: ۱۵۱۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو قسم کے سودوں اور دو قسم کے لباس سے منع فرمایا، یعنی خرید و فروخت میں بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا۔

تشریح: بیع الملامسہ اور بیع المنابذہ جوئے اور قمار کی شکلیں ہیں۔ ملامسہ میں فریقین میں یہ طے ہوتا ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت کا معاہدہ ہو رہا ہے جب خریدار اس پر ہاتھ رکھے گا، یا چھوئے گا تو محض اس ہاتھ رکھنے یا چھونے سے معاملہ مکمل سمجھ جائے گا، بعد میں چیز کو دیکھ کر اُسے سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

بیع المنابذہ میں سودا اُس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بائع چیز کو خریدار کی طرف پھینکتا ہے، خریدار کو بعد میں چیز دیکھنے پر سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

ملامسہ اور منابذہ دونوں میں، چیز معاہدہ کرتے وقت اِس حالت میں ہوتی ہے کہ اُسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ خریدار محض اپنی قسمت آزمانے کے لیے چیز خریدتا ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ چیز اتنے کی نہ ہو جتنی اُس نے قیمت دی ہے۔

- آفت زدہ پھل کو فروخت کرنے کی ممانعت

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو بعت من أخيك ثمرا فأصابته جائحة فلا يحل لك أن تأخذ منه شيئا، بم تأخذ مال أخيك بغير حق ؟(صحيح مسلم ،

کتاب المساقاة،باب وضع الجوائح: ۱۵۵۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ پھل بیچ دو اور اس پر کوئی آفت آ جائے، تو تمہارے لیے اس سے کچھ لینا حلال نہیں، تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتے ہو؟

- **پھل کے گدرانے (پکنے کی صلاحیت) سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت**

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال نهى النبي صلى الله عليه وسلّم أن تباع الثمرة حتى تُشقِح ،فقيل: ما تُشقِح؟ قال: تحمارُ وتصفارُ ويؤكل منها. (سنن ابي داؤد،كتاب البيوع، باب في بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها ا(۳۳۷۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ گدرا نہ جائے۔ آپ سے پوچھا گیا، گدرانے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: سرخ اور زرد ہو جائے اور اسے کھایا جا سکے۔

- **مزابنہ کی ممانعت**

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المزابنة (صحيح بخاري، كتاب البيوع ،باب بيع الزبيب بالزبيب: ۲۱۷۳، مسند احمد ، ۲: ۵، ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔

تشریح: مزابنہ سے مراد کھجور کے درخت پر موجود پھل کو مقررہ وزن کی خشک کھجوروں (چھوہاروں) سے ناپ کر بیچنا۔

- **کھجوروں کی ڈھیری کو وزن کی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں فروخت کی ممانعت**

عن جابر بن عبداللّٰه رضي اللّٰه تعالى عنهما يقول نهى رسول الله

صلى الله عليه وسلم عن بيع الصبرة من التمر لا يعلم مكيلتها بالكيل المسمى من التمر(صحيح مسلم ،كتاب البيو ع ، باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة القدر: ۱۵۳۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی ایسی ڈھیری یا مقدار جس کا وزن معلوم نہ ہو، اس کھجور کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا ہے جس کی مقدار معلوم ہو۔

- غیر معینہ مدت کے لیے پھلوں کے درخت بیچنے کی ممانعت

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع السنين ووضع الجوائح(سنن ابي داؤد ،كتاب البيو ع ، باب في بيع السنين: ۳۳۷۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معینہ مدت کے لیے پھلوں کے درخت بیچنے کی ممانعت فرمائی اور پھلوں پر آسمانی آفت پڑنے سے ان کی قیمت خرید میں کمی کرنے کا حکم دیا۔

- جبری لین دین کی ممانعت

عن علي ابن أبي طالب رضي الله عنه قال : سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر علي ما في يده ولم يؤمر بذلک قال الله تعالىٰ (ولاتنسوا الفضل بينكم) ويبايع المضطرون وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر و بيع الغرر وبيع التمرة قبل أن تدرک (سنن ابی داؤد ، کتا ب البیو ع، باب فی بیع المضطر: ۳۳۸۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں پر ایسا وقت آئے گا، جب ظلم وستم بڑھ جائے گا، مال دار شخص اپنے مال کو دانت سے پکڑے گا جب کہ اس کو یہ حکم نہیں دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تنسوا الفضل بينكم (یعنی آپس میں

اچھا برتاؤ کرنا بھول نہ جانا)، اور مجبور لوگوں سے خرید وفروخت کی جائے گی، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور شخص کی بیع، غیر یقینی امر کے سودے اور پکنے سے پہلے پھل کی فروخت سے منع فرمایا ہے۔

● بیع العینہ (سودی قرض بذریعہ بیع) کی ممانعت

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إذا تبایعتم بالعینۃ وأخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجھاد سلط اللہ علیکم ذلا لاینزعہ حتي ترجعوا إلي دینکم

(سنن ابی داؤد: کتاب البیوع، باب فی النھي عن العینۃ: ۳۴۶۲، مسند احمد ۲: ۴۲، ۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: جب تم عینہ کے ذریعے لین دین کرنے لگو گے اور گائے کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے، زراعت میں مشغول ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے، اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دیں گے جو اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ۔

تشریح: بیع عینہ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی چیز ادھار فروخت کی جائے اور پھر اس سے وہی چیز کم دام پر خرید لی جائے۔ ایک دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی چیز نقد بیچی جائے اور پھر وہی چیز ادھار پر پہلی قیمت کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر خرید لی جائے، اور یہ دونوں معاملے اسی مجلس میں طے پائیں۔ یہ دونوں سود کی صورتیں ہیں اور شرعاً منع ہیں، کیونکہ دونوں میں حقیقی اور اصل مقصد ایک ضرورت مند کے لیے رقم کا حصول تھا، اس میں اصل رقم سے زائد، یعنی سود تک رسائی کے لیے ایک چیز کی خرید وفروخت کو ذریعہ اور حیلہ بنایا گیا ہے جو شرعاً درست نہیں ہے۔

- شہری کو دیہاتی کا مال بیچنے کی ممانعت

عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبيع حاضر لباد و لاتناجشوا و لايبيع الرجل على بيع أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه ولا تسال المرأة طلاق أختها لتكفأ مافي إنا ئها (صحيح بخاري، كتاب البيوع ، باب لايبيع على بيع أخيه: ۲۱۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کو دیہاتی کا مال بیچنے سے منع فرمایا، نیز فرمایا کہ سودے پر (جھوٹی بولی دے کر) قیمت مت بڑھاؤ، اور کوئی شخص کسی کے سودے پر سودا نہ کرے، اور نہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام ہی دے (رشتے کے لیے) اور کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ جو کچھ اس کے برتن میں ہے اسے انڈیل دے، (یعنی اس کو محروم کر کے اس کا حق خود حاصل کر لے)۔

- غیر یقینی امور پر مشتمل سودوں کی ممانعت

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر(صحيح مسلم ، كتاب البيوع ،باب بطلان بيع الحصاة و البيع الذي فيه غرر: ۱۵۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینک کر کیے گئے اور غیر یقینی امور پر مشتمل سودوں سے منع فرمایا ہے۔

عن عبدالله ابن مسعود رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتشتروا السمك في الماء فإنه غرر (مسند أحمد ، مسند عبد الله بن مسعود، ۱: ۳۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مچھلی اگر پانی میں ہو تو اسے مت خریدو، کیوں کہ یہ غیر یقینی امر کا سودا ہے۔

تشریح: شریعت نے ہر وہ لین دین جس میں دھوکا، فریب یا لاعلمی ہو، باطل قرار دیا ہے، اور اسے بیع غرر کہا ہے۔ بیع غرر سے مراد یہ ہے کہ مبیع یا ثمن میں سے کسی ایک کی مقدار، صفت یا مدت میں ابہام ہو، یا مبیع کا وجود غیر یقینی ہو، مثلاً ایک ماہی گیر سے یہ سودا کرنا کہ اس مرتبہ جتنی مچھلیاں جال میں آئیں، وہ اتنی رقم کے عوض میری ہوں گی۔ اس معاہدے میں سودا کرنے والے اور ماہی گیر دونوں کو یہ معلوم نہیں کہ جال میں کوئی مچھلی آئے گی بھی یا نہیں، اور اگر آئے گی تو مچھلیوں کی مقدار کتنی ہوگی۔ اس غیر یقینیت کی بنا پر یہ بیع، بیع غرر کہلاتی ہے۔

- سودے میں قرض اور بیع کو جمع کرنے اور دو شرطوں کی ممانعت

عن عبداللہ بن عمرو رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل سلف وبيع والشرطان في بيع ولا ربح مالم تضمن ولا بيع ماليس عندك (سنن ابي داؤد، كتاب البيوع، باب في الرجل يبيع ماليس عنده: ۳۵۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض اور بیع جمع کرنا، یا، ایک بیع میں دو شرطیں جمع کرنا جائز نہیں۔ وہ نفع بھی جائز نہیں جس کی ضمانت نہ لی جائے، نیز اس چیز کی بیع بھی جائز نہیں جو تمہارے پاس نہیں۔

تشریح: حدیث میں مذکور قرض اور بیع سے مراد یہ ہے کہ دونوں معاملوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا، مثلاً کوئی شخص کسی کو قرض دے اور ساتھ ہی اپنی کوئی چیز بھی اس کے ہاتھ بیچے، یعنی وہ قرض اس شرط پر دے کہ قرض لینے والا اس سے کوئی چیز خریدے۔ ان دو معاملات کو آپس میں جمع کرنا جائز نہیں۔

دو شرطوں کی صورت یہ ہے کہ بائع خریدار سے کہے کہ یہ چیز نقد سو روپے میں اور اُدھار ایک سو پچاس روپے میں تمہیں بیچتا ہوں۔

بغیر ضمانت کے نفع سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا نفع تو لے لیکن اس کا نقصان یا خطرہ (risk) برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

- نقصان کی ذمہ داری اٹھائے بغیر نفع کی ممانعت

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الخراج بالضمان (سنن نسائي ، كتاب البيوع ، باب الخراج بالضمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نفع کا حق نقصان کی ذمہ داری کے ساتھ وابستہ ہے۔

- احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت

عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الجالب مرزوق والمحتكر ملعون(سنن ابن ماجه، كتاب البيوع، باب الاحتكار : ۲۱۵۳)

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بازار میں سودا لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔

- ربا الفضل کی ممانعت

عن ابي سعيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لاتبيعوا الذهب بالذهب الامثلابمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا الورق بالورق الامثلا بمثل، ولاتشفوا بعضها على بعض ، ولا تبيعوا منهما غائبا بناجز" متفق عليه.

وفي لفظ " الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّبالبُرّ و الشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلا بمثل، يدابيد، فمن زاد او استزاد فقد أربى اربى، الآخذ والمعطي فيه سواء " رواه احمد

والبخاري وفي لفظ" لاتبيعوا الذهب بالذهب، ولا الورق بالورق الاوزنا بوزن، مثلا بمثل ، يدابيد، سواء بسواء" رواه احمد ومسلم.
(صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب الربا)

حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے سے نہ بیچو، مگر برابر برابر۔ بعض کو بعض سے کم یا زیادہ نہ کرو اور چاندی کو چاندی سے نہ بیچو، مگر برابر برابر اور بعض سے کم یا زیادہ نہ کرو اور سونے چاندی میں سے موجود کو غائب سے نہ بیچو۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: سونا سونے سے، چاندی چاندی سے، گیہوں گیہوں سے، جو جو سے، کھجور کھجور سے اور نمک نمک سے برابر برابر اور ہاتھ بہ ہاتھ بیچو، (برابر ہوں اور نقد ہوں)۔ اگر کسی نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو اس نے سود لیا، اس میں لینے دینے والے دونوں برابر ہیں۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: سونا سونے سے اور چاندی چاندی سے نہ بیچو، مگر ہم مثل، نقد اور برابر برابر۔

- بیع عربون (بیعانہ) کی ممانعت

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان (سنن ابي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان: ۳۵۰۲)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربون سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: عربون سے مراد یہ ہے کہ خریدار معاہدہ کرتے وقت بائع کو بطور سائی، یا بیعانہ کچھ رقم دے دے اور معاہدے میں شرط یہ ہو کہ اگر خریدار نے مقررہ وقت پر رقم ادا کر دی تو بیعانہ قیمت میں شمار ہوگا۔ دوسری صورت میں بائع کو حق حاصل ہوگا کہ وہ بیعانہ کی رقم ضبط کر لے۔ یہ بیع حنبلی

فقہاء کو چھوڑ کر باقی تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔ ان کے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کے مترادف ہے۔

- جو چیز بائع کے قبضے میں نہ ہو، اس کی فروخت کی ممانعت

عن حکیم بن حزام قال : یا رسول اللہ !یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی أفأبتاعه له من السوق؟قال: لا تبع مالیس عندک (سنن ابی داؤد ، کتاب البیوع ،باب الرجل یبیع ما لیس عنده: ۳۵۰۳)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یارسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کچھ خریدنا چاہتا ہے اور وہ میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو کیا میں بازار سے خرید کر اسے دے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے، اس کی سودے بازی مت کرو۔

- ایک چیز کو دو قیمتوں پر بیچنے کی ممانعت

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعة (سنن ترمذی ، کتاب البیوع ،باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعة: ۱۲۳۱' سنن أبی داؤد'کتاب البیوع'باب فیمن باع بیعتین: ۳۴۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چیز کو (نقد کم، اُدھار زیادہ) دو قیمتوں پر (کسی ایک قیمت کے تعین، اُس پر اتفاق اور سودے کی تکمیل کے بغیر) بیچنے سے منع فرمایا۔

ابوداؤد کی روایت میں اضافہ ہے: فله أوکسھما أو الربا. یعنی وہ دونوں میں سے کم قیمت کا حق دار ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ ربا کا مرتکب ہوگا۔

- دھوکا دینے کی ممانعت

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه

وسلم مر علی صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللا فقال يا صاحب الطعام ما هذا؟ قال: أصابته السمآء يا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتی يراه الناس؟ ثم قال: من غش فليس مني (صحیح مسلم: کتاب الایمان ، باب قول النبي ﷺ: من غشنا فليس منا: ۱۰۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلے کے ایک ڈھیر پر گزر ہوا، آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی، آپ نے فرمایا: اے غلے والے! یہ کیا؟ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! بارش ہوگئی تھی، آپ نے فرمایا: تو تو نے اسے (نم دار غلے کو) ڈھیر کے اوپر کیوں نہ کر دیا تا کہ لوگ دیکھ سکیں، پھر فرمایا: جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

- بیچتے وقت مال کا نقص بتانے کی ترغیب

عن واثلة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی الله علیه وسلم: لايحل لأحد يبيع شيأ إلابين مافيه ولا يحل لمن علم ذلک إلا بينه (المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۲، کنز العمال، ۲: ۲۵)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے، تاوقتیکہ اس کے اندر جو خوبی یا خرابی ہے، اسے بیان نہ کر دے۔ اسی طرح اگر (بائع کے علاوہ) کسی شخص کو اس کا علم ہو گیا ہے تو وہ دوسروں کو اس کے متعلق صاف صاف بتا دے۔

- جھوٹی بولی دینے کی ممانعت

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نهی النبي صلی الله علیه وسلم عن النجش. (صحیح بخاري ، کتاب البیوع ، باب النجش و من قال لا یجوز ذلک البیع: ۲۱۴۲)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بھاؤ بڑھانے کی غرض سے) جھوٹی بولی دینے سے منع فرمایا ہے۔

● بیع وشراء میں دھوکا دینے کے لیے قسمیں کھانا

عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ثلاثة لاينظر الله إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم : رجل كان له فضل ماء بالطريق فمنعه من ابن السبيل ورجل بايع إمامًا لايبايعه إلا لدنيافإن أعطاه منها رضي وإن لم يعطه منها سخط ، ورجل أقام سلعته بعد العصر فقال: والله الذي لاإله غيره لقد أعطيت بها كذا وكذا فصدقه رجل (صحيح بخاري ، كتاب المساقاة ،باب إثم من منع ابن السبيل من الماء: ۲۳۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین افراد ایسے ہیں جن کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو نظرِ (کرم) کریں گے، نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ایک وہ شخص جو رہگزر پر زائد پانی کا مالک ہے اور مسافروں کو نہیں دیتا، اور دوسرا وہ شخص جو کسی امام کی بیعت دنیا کی غرض سے کرتا ہے۔ اگر وہ اس کی مرضی کے مطابق (اُس کو دنیوی مفادات) دیتا ہے تو اس سے راضی وخوش رہتا ہے اور اگر نہیں دیتا تو اس سے ناراض ہوتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی شخص کے ساتھ عصر کے بعد سودا کیا اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس چیز کا اتنا اور اتنا دیا گیا ہے تو دوسرے نے اس کی تصدیق کی، (یعنی اس کی بات مان لی جب کہ وہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا تھا)۔

إن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلف مُنَفِّقَة للسِّلْعَة مُمْحِقَة للبركة (صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب يمحق الله الربا و يربي الصدقات: ۲۰۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ قسمیں کھانے سے سودا تو بک جاتا ہے، لیکن اس سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔

- سودے پر سودا کرنے کی ممانعت

عن عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: لابیع بعضکم علی بیع بعض ولا تلقوا السلع حتی یُهْبَطَ بها إلی السوق(صحیح بخاري ، کتاب البیوع ، باب النهي عن تلقی الرکبان: ۲۱۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے، اور تجارتی مال کا آگے جاکر سودا نہ کرے، حتی کہ وہ منڈی میں جاکر اتارا جائے۔

- منڈی سے باہر مال خریدنے کی ممانعت

عن أبي هریرة رضي اللہ عنه قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أن یتلقی الجلب(صحیح مسلم، کتاب البیوع ، باب تحریم تلقی الجلب: ۱۵۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ لانے والوں سے منڈی سے باہر راستے میں جاکر ملنے اور مال خریدنے سے منع فرمایا ہے، ایک اور روایت میں فرمایا: ایسا سودا ہوجانے کے بعد جب مال کا مالک منڈی میں آئے تو اسے سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

- قبضے سے پہلے سامان کی فروخت کی ممانعت

عن زید بن ثابت أن النبي صلی اللہ علیه وسلم نهی أن تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزها التجار إلی رحالهم (سنن أبي داؤد، کتاب

البیوع، باب بیع الطعام قبل أن یستوفي: ۳۴۹۹)

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس سے منع فرمایا کہ جنس جہاں سے خریدی ہے، وہیں بیچ دی جائے یہاں تک کہ تاجر اسے اٹھا کر نہ لے جائیں۔

● تھنوں میں دودھ کو روکنے کی ممانعت

قال أبو هريرة رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تصروا الإبل والغنم فمن ابتاعها بعد فإنه بخير النظرين بعد أن يحتلبها إن شاء أمسک وإن شاء ردها وصاع تمر(صحيح بخاري، كتاب البيوع،باب النهي للبائع أن لا يحفّل الإبل و البقرة والغنم: ۲۱۴۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکو، اگر ایسی حالت میں کسی نے کوئی جانور خرید لیا تو اسے دو باتوں کا اختیار ہے کہ دودھ دوہ کر پسند آئے تو رکھ لے، ورنہ واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے دے۔

تشریح: تھنوں میں دودھ روک کر جانور بیچنا، تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ جانور زیادہ دودھ دینے والا ہے، دھوکے کی ایک شکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جانور خریدنے والے کو سودا فسخ کرنے کا حق دیا ہے۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال : إذا تبايع الرجلان فكل واحد منهما بالخيار مالم يتفرقا وكانا جميعا أو يخير أحدهما الآخر فتبايعا على ذلک فقد وجب البيع وإن تفرقا بعد أن يتبايعا و لم يترک واحد منهما البيع فقد وجب البيع (صحيح بخاري ، كتاب البيوع ،با ب إذا خير أحدهما صاحبه بعد البيع فقد وجب البيع: ۲۱۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو آدمی لین دین کریں تو ان میں سے ہر ایک کو (سودا فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ ایک مجلس میں اکٹھے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں، یا ان میں سے ایک فریق دوسرے کو (تین دن کے اندر سودا فسخ کرنے یا برقرار رکھنے کا) اختیار دے دے، لیکن اگر ان کا سودا اس طور پر ہوا ہو کہ کسی دوسرے کو اختیارِ فسخ نہ دیا ہو تو جدا ہونے پر بیع لازم ہو جائے گی۔

● فروخت شدہ چیز سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگانا

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم قال: كيف ترى بعيرک أتبيعنيه ؟ قلت : نعم ' فبعته إياه فلما قدم المدينة غدوت إليه بالبعير فأعطاني ثمنه .

وفي رواية : فاستثنيت حملانه إلى أهلي .وفيها:ما كنت لآخذ جملک فخذ جملک فذاک مالک (صحيح بخاري كتاب الاستقراض ، باب من اشترى بالدين و ليس عنده ثمنه:۲۳۸۵، كتاب الشروط' باب إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان: ۲۷۱۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شریک ہوا۔ (سفر کے دوران میں) آپ نے پوچھا، آپ کا اونٹ کیسا ہے؟ کیا یہ اونٹ مجھے بیچو گے؟ میں نے کہا۔ جی ہاں، اور میں نے آپ کو یہ اونٹ بیچ دیا، مدینہ پہنچنے کے بعد میں اونٹ لے کر آپ کے پاس پہنچا، آپ نے اس کی قیمت مجھے ادا کر دی۔

ایک اور روایت میں ہے: میں نے یہ شرط رکھی تھی کہ میں گھر تک اس پر سواری کروں گا۔ اور اس میں ہے: آپ نے فرمایا: میں تمہارا اونٹ لینا نہیں چاہتا تھا، جاؤ اپنا اونٹ لے لو، وہ تمہارا ہے۔

- خیارِ شرط کی اجازت

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال رجل للنبي ﷺ أني أخدع في البيوع فقال: إذا بايعت فقل: لا خلابة ولي خيار ثلاثة أيام، فكان الرجل يقوله (صحيح بخاري : كتاب الاستقراض، باب ما ينهى عن إضاعة المال: ۲۴۰۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے لین دین میں دھوکہ ہو جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: تم جب بھی سودا کرو تو کہہ دیا کرو: لا خلابة، یعنی دھوکا نہیں، اور مجھے تین دن کے اندر سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کے بعد اس شخص کا یہی معمول تھا، (یعنی سودا کرتے وقت وہ یہ الفاظ ادا کیا کرتا تھا)۔

- ادھار سودے کی صورت میں رہن کی اجازت

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اشترى من يهودي طعاما إلى أجل ورهنه درعا له من حديد (صحيح بخاري، كتاب البيوع ، باب شراء النبي ﷺ بالنسيئة: ۲۰۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

باب دوم

معاہدۂ بیع کی تعریف اور اقسام

بیع کی حقیقت

مال یا اسی طرح کی کسی چیز (مثلاً منفعت اور حق) کو مال کے بدلے میں کسی کو اس طور پر دینا کہ وہ مال یا چیز اس کی ملکیت بن جائے، شرعاً بیع ہے۔

(المجموع شرح المهذب ۱۴۹:۹)

مال اور مبیع کا مفہوم

مال سے مراد وہ (مادی ومحسوس) چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، اور اسے ضرورت کے وقت کے لیے ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے اسے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے۔

''تقوم'' یا کسی چیز کی مالیت (monetary value) لوگوں کی جانب سے اس چیز کو مال کے طور پر استعمال کرنے اور شرعاً اس سے مستفید ہونے کی اجازت سے ثابت ہوتی ہے۔(تکملہ رد المحتار ۷:۷)

مال کا اطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جس کی کوئی قیمت (value) ہو، جس کے عوض وہ چیز فروخت کی جائے اور اس کے ضائع کرنے والے پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہو، چاہے وہ قیمت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ البتہ وہ چیز جسے لوگ اس کی بے وقعتی کی وجہ سے پھینک دیتے ہیں، جیسے پائی، دھیلا وغیرہ تو اس طرح کی چیز مال قرار نہیں پائے گی۔

کسی چیز کے مالیت ہونے، یا نہ ہونے کا ضابطہ امام شافعیؒ نے باب اللقطة میں اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ ہر وہ چیز جس سے استفادے کا تصور کیا جا سکتا ہے، اسے مالیت (monetary value) کی حامل چیز شمار کیا جائے گا، اور ہر وہ چیز جو اپنی حقیر مقدار (جیسے گندم کا ایک دانہ) کی وجہ سے (فطری طور پر) قابلِ انتفاع نہ ہو، مالیت سے خارج سمجھی جائے گی۔

۲۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کی مہنگائی کے زمانے میں (من مانی) قیمت پیش کی جائے، مالیت کی حامل تصور ہوگی۔ (الاشباہ و النظائر ۳۲۷)

بیع کی اقسام

بیع کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کا تعلق بدل وعوض کے ساتھ ہے جب کہ دوسری قسم کا تعلق بیع کے حکم کے ساتھ ہے۔ بدل وعوض سے تعلق رکھنی والی قسم کی مزید دو اقسام ہیں، ان میں سے ایک دوطرفہ عوض وبدل (counter-values) سے تعلق رکھتی ہے، جب کہ دوسری قسم صرف ایک طرف کے عوض وبدل سے متعلق ہے، یعنی ثمن (قیمت) کے ساتھ۔

دوطرفہ بدل وعوض کے لحاظ سے بیع کی اقسام

دوطرفہ عوض وبدل کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

(الف) عین کی عین کے ساتھ بیع — یہ ایک شئے کا دوسری شئے کے ساتھ تبادلہ ہے۔ یہ بیع مقایضہ یا جنس کے جنس سے تبادلے پر مشتمل بیع بھی کہلاتی ہے۔

(ب) عین (سامان) کی دین یعنی زرنقد کے ساتھ بیع — یہ سامان تجارت کی، زرنقد یعنی درہم ودینار اور رائج سکوں، نیز ناپ تول اور باہم مشابہ گنتی کی جانے والی ایسی اشیاء کے عوض فروخت ہے جن کی صفات متعین کر دی گئی ہوں۔

(ج) بیع سلم — یہ دین (بائع کے ذمے مستقبل میں واجب الادا چیز) کی عین (متعین نقد

قیمت) کے ساتھ بیع ہے۔

(د) بیع صرف — دین کی دین کے ساتھ بیع ۔ یہ زرنقد کا زرنقد کے ساتھ تبادلہ ہے۔

ثمن کے اعتبار سے بیع کی اقسام

بیع کی وہ قسم جس کا تعلق یک طرفہ عوض وبدل، یعنی ثمن سے ہے، پانچ قسموں کی ہے:

(الف) بیع المساومہ (بھاؤ تاؤ کے نتیجے میں طے ہونے والی قیمت پر مشتمل بیع) — یہ سامان کو کسی بھی ایسی قیمت پر فروخت کرنے کا نام ہے جس پر دونوں فریق متفق ہو جائیں۔

(ب) بیع المرابحہ — یہ قیمت خرید پر ایک متعین اضافے کے عوض سامان کی فروخت کا نام ہے۔

(ج) بیع التولیہ — یہ قیمت خرید پر سامان کو فروخت کرنے کا نام ہے، یعنی بلا نفع ونقصان فروخت۔

(د) بیع الاشتراک — یہ مذکور بالا بیع التولیہ کی مانند ہے، لیکن اس میں مبیع کے کچھ حصے کی کچھ زرثمن کے ساتھ فروخت ہوتی ہے۔

(ہ) بیع الوضیعہ — یہ قیمت خرید سے کم پر، یعنی نقصان کے ساتھ بیع کا نام ہے۔

(بدائع الصنائع ۵:۱۳۴-۱۳۵)

بدل وعوض کے اعتبار سے بیع کی چند اہم اقسام

ذیل میں بدل وعوض کے اعتبار سے بیع کی چند اہم اقسام نسبتاً تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ بیع مرابحہ وتولیہ

مرابحہ یہ ہے کہ قیمت خرید پر کچھ نفع لے کر کوئی چیز فروخت کی جائے۔ تولیہ کسی چیز کو بغیر کسی نفع کے محض قیمت خرید پر بیچنا ہے۔ بیع کی یہ دونوں اقسام جائز ہیں، کیونکہ ان میں جواز بیع کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں، نیز لوگوں کو اس قسم کے معاملے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک کند ذہن یا تجارتی امور میں ناتجربہ کار شخص کو اکثر یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ تجارتی معاملات میں سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص پر انحصار کرے اور جس قیمت پر اس

سمجھ دار شخص نے کوئی چیز خریدی ہے، اسی پر وہ چیز خرید کر اپنے قلبی اطمینان کا سامان کرے۔ ان فوائد کی بنا پر بیع کی یہ دونوں قسمیں جائز قرار پائیں۔ بیع کی ان اقسام کا بنیادی انحصار فروخت کنندہ کی سچائی اور خیانت سے اس کے اجتناب پر ہوتا ہے، (یعنی اس طرح کے معاملے میں فروخت کنندہ کی سچائی اور امانت داری بنیادی عنصر ہے۔ واضح رہے کہ مرابحہ اور تولیہ میں بائع کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی لاگت اور قیمتِ خرید پوری سچائی اور دیانت کے ساتھ خریدار کو بتائے)۔ صحیح روایت میں وارد ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ خریدے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ان میں سے ایک مجھے قیمت خرید پر (یعنی بیع تولیہ کی صورت میں) دے دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ بغیر قیمت ادا کیے لے سکتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قیمت کے بغیر ہے تو پھر نہیں۔ (الهدايه ۳:۵۶)

۲- بیع سلم (قیمت کی پیشگی ادائیگی اور سامان کی مستقبل میں سپردگی کا معاملہ)

اہل لغت کے نزدیک سلم اور سلف دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں، تاہم سلف قرض کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ سلم اہل حجاز کے ہاں مستعمل ہے، جبکہ اہل عراق اسے سلف کہتے ہیں۔ یہ بات ماوردی نے کہی ہے۔ معاملۂ سلم کو سلم اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس میں چیز کی قیمت معاہدے کے وقت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے۔ سلم ایک ایسی چیز کا معاہدہ ہے جسے وصف (description) کے ذریعے بیچا جاتا ہے اور اسے مستقبل میں فراہم کرنا بائع کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کی قیمت مجلس معاہدہ میں بائع کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ المبدع میں آیا ہے: "یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قبض ثمن معاملہ کی شرط ہے (جس کا معاملے سے پہلے پایا جانا ضروری ہے) نہ کہ اصل معاہدہ کا حصہ"۔

درست بات یہ ہے کہ سلم وصف کے ذریعے طے پانے والی اور بائع کی ذمہ داری کا حصہ بننے والی ایک ایسی بیع ہے جس میں فروخت شدہ چیز مستقبل میں ایک مقررہ وقت پر مشتری کو فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔ یہ بات ابن المنذر نے بیان کی ہے۔ اس

کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''اے ایمان والو! جب بھی تم کسی متعین وقت کے لیے دین کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو''۔ سنت سے اس کے جواز کی دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لائے تو اس وقت لوگ پھلوں کی خرید کے لیے دو تین سال پیشگی قیمت ادا کر دیتے تھے، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عقد سلم کرے (کسی چیز کی خریداری کے لیے پیشگی رقم دے) تو اسے چاہیے کہ وہ ایک معین پیمائش ووزن کی چیز کا سپردگی کے وقت کے تعین کے ساتھ معاہدہ کرے۔

بیع سلم کے جواز کی بنیاد یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ایسا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس معاملے کی درستگی کی شرائط وہی ہیں جو معاملہ بیع کی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام بیع کے برعکس یہ معاملہ غیر موجود چیز میں ہوتا ہے۔ عام بیع موجود اشیاء اور ایسی غیر موجود اشیاء میں ہوسکتی ہے جن کی صفات (characteristics) کا تعین کرلیا گیا ہو۔ یہ معاملہ بیع، سلم اور سلف کے علاوہ ہر اس لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے جو عام بیع میں استعمال ہوتا ہے۔

(کشاف القناع ۳:۲۷۵-۲۷۶)

۳- بیع صرف

نقود (کرنسی) کا نقود سے تبادلہ، چاہے وہ دونوں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں یا دو مختلف اجناس سے، بیع صرف کہلاتا ہے۔ یہ بیع معین نقود میں بھی ہوسکتی ہے اور ایسے نقود میں بھی جن کی صفت بیان کردی گئی ہو۔ معین نقود کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہیں یہ دینار ان دراہم کے عوض فروخت کرتا ہوں۔ صفت کے ذریعے نقود کی فروخت کی مثال یہ ہے کہ میں تمہیں فلاں جنس کا دینار (جیسے کویتی دینار) فلاں قسم کے بیس درہموں کے عوض فروخت کرتا ہوں۔ اگر دینار و درہم کو اس نے متعین کیے بغیر مطلق دینار و درہم کا لفظ استعمال کیا تو ایسی صورت میں اس سے مراد مروج دینار و درہم ہوں گے، لیکن اگر اس علاقے میں ایک سے زیادہ کرنسیاں ہوں، تو زیادہ استعمال ہونے والی کرنسی مراد ہوگی، تاہم ایسی صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ بائع و مشتری کرنسی کو مجلس معاہدہ میں متعین کریں اور علیحدگی سے پہلے دونوں فریق اپنے

ذمے کی کرنسی ایک دوسرے کے سپرد کر دیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ ایک طرف کی کرنسی متعین ہو جب کہ دوسری طرف کی کرنسی متعین نہ ہو، لیکن اس کی صفت بیان کر دی جائے، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہیں یہ دینار تمہارے ذمے واجب الادا، دس درہموں کے عوض فروخت کرتا ہوں [اس صورت میں بھی دینار کا درہموں سے تبادلہ دست بدست ہونا چاہیے]۔ بیع صرف اس صورت میں جائز نہیں ہے جب دونوں طرف کے نقود قرض ہوں، کیونکہ یہ دین کی دین کے ساتھ بیع ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ ایک جنس کی دو کرنسیوں کا تبادلہ (جیسے دینار کا دینار کے ساتھ تبادلہ) گو کہ تفاضل کے ساتھ جائز نہیں، تاہم ایک حیلے کے ذریعے یہ تبادلہ اضافے کے ساتھ ہو سکتا ہے اور وہ حیلہ یہ ہے ایک شخص اپنے ذمے کے دینار، دراہم یا سامان کے بدلے میں فروخت کرے اور پھر ان درہموں سے وہ مطلوبہ دینار خریدے (دوسرے الفاظ میں دینار کا دینار کے ساتھ براہ راست تبادلہ نہ کیا جائے، بلکہ بالواسطہ تبادلہ کیا جائے)۔ ایک اور حیلہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس کی مطلوب کرنسی قرض دے کر معاف کر دے۔ ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ ہم جنس کرنسیوں کی بیع تو برابری کی بنیاد پر ہو، لیکن فاضل حصہ ہبہ کر دیا جائے، تاہم یہ ضروری ہے کہ قرض یا ہدیے کو معاملے کی شرط نہ بنایا جائے، (یعنی بے ساختگی میں یہ معاملہ طے پائے)۔ یہ بات واضح رہے کہ اس طرح کے معاملے کا قصد و نیت مکروہ ہے۔

(مغنی المحتاج ۲:۲۵)

۴- بیع استصناع (آرڈر پر کوئی چیز بنوانا)

استصناع یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر، مثلاً موچی یا کمہار سے یہ کہے کہ تم میرے لیے اپنے پاس موجود چمڑے سے اتنی قیمت کا جوتا بنا دو، یا تانبے سے برتن بنا دو۔ وہ مطلوبہ کام کی نوعیت، مقدار و جسامت اور خصوصیات کا بھی تعین کر دے۔ اس پر کاریگر کہے کہ مجھے یہ کام قبول ہے۔

استصناع کے مفہوم کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ استصناع دو طرفہ وعدہ ہے، معاہدۂ بیع نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ معاہدۂ بیع ہی ہے، لیکن

خریدار کو اس میں بنی ہوئی چیز دیکھنے پر معاہدے کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہی آخرالذکر قول درست ہے۔ اس کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے اس کے جواز میں قیاس اور استحسان جیسے اصولوں کا حوالہ دیا ہے جنہیں محض وعدوں میں بروئے کار نہیں لایا جاتا۔ اسی طرح انہوں نے استصناع میں مشتری کے خیارِ رویت کے حق کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ خیارِ رویت خرید و فروخت کے معاہدات میں ہوتا ہے نہ کہ وعدوں میں۔ نیز اس میں عدالتی چارہ جوئی بھی ہوسکتی ہے جو کسی حق اور لازم امر میں ہوتی ہے نہ کہ وعدے میں۔ مزید براں اس بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ اگر یہ بیع ہے تو بیع کی کس قسم سے تعلق رکھتی ہے؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جس کی فراہمی دوسرے فریق کے ذمے ہے، (یعنی غیر موجود چیز کی بیع جسے مستقبل میں ایک فریق نے فراہم کرنا ہے)۔ بعض کا قول ہے کہ یہ ایک ایسی مبیع کا معاہدہ ہے جس کی فراہمی ایک فریق کے ذمے ہے اور اس میں کام (کاریگری) بھی اس فریق کے ذمے ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر کاریگر پہلے سے بنی بنائی چیز پیش کرے اور اسے خریدار پسند کرے تو عقد جائز ہوگا۔ اگر کام یا کاریگری معاہدے کی شرط ہوتی تو مذکورہ معاملہ جائز نہ ہوتا۔ شرط کا تقاضا تو یہ ہے کہ کام وصنعت معاہدے کے بعد شروع ہو، حالانکہ وہ کام ماضی میں ہوچکا ہے۔ ان دونوں اقوال میں درست قول دوسرا ہے، کیوں کہ استصناع میں کسی چیز کو بنوانے کے مطالبے کا مفہوم شامل ہے۔ اگر اس میں بنانے یا صنعت کا عمل داخل نہیں تو وہ معنوی اعتبار سے استصناع نہیں، نیز اس لیے بھی کہ اگر مبیع کی فراہمی دوسرے کے ذمے ہو تو اسے بیع سلم کہا جاتا ہے۔ ناموں کا یہ اختلاف دونوں معاملوں کی حقیقت میں اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر کاریگر پہلے سے کوئی بنی بنائی چیز پیش کردے اور بنوانے والا اس پر راضی ہوجائے تو ایسے معاہدے کے جواز کی بنیاد سابقہ معاہدہ (معاہدۂ استصناع) نہیں، بلکہ نیا معاہدہ ہے جس کے بموجب فریقین باہمی رضامندی سے کسی چیز کے لین دین پر راضی ہوئے ہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۲۲۶)

حکم کے اعتبار سے بیع کی اقسام

ایسا معاہدہ جو اپنی اصل (ارکان معاہدہ) کے اعتبار سے تو شرعی تقاضوں کے مطابق ہو، مگر وصف، یعنی معدے سے وابستہ شرائط اور دیگر خارجی اوصاف کے اعتبار سے شریعت کے مطابق نہ ہو، معاہدۂ فاسد ہے۔ اس کے برعکس باطل معاہدہ ایسا معاہدہ ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبارات سے شریعت کے منافی ہو۔ مکروہ وہ معاہدہ ہے جس کی ممانعت کسی خارجی تعلق کی بناء پر ہو، جیسے اذانِ جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا۔

البنایة میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا معاہدہ جو اصل و وصف کے اعتبار سے جائز ہو، مگر معاہدے سے متصل کسی ممنوع خارجی عنصر کی بناء پر اس کی ممانعت کر دی گئی ہو۔ وسیع مفہوم میں اسے بیع فسد کے تحت بھی لایا جا سکتا ہے۔

آپ نے یہ اندازہ کرلیا ہوگا کہ فاسد، باطل سے مختلف چیز ہے۔ واضح بات ہے کہ جو معاہدہ اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہو، وہ یقیناً اس معاہدے سے مختلف ہوگا جو مطلقاً ناجائز ہو۔ فاسد معاہدے کے نتیجے میں خریدار کو خریدی ہوئی چیز کے ملکیتی حقوق حاصل ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ اس نے وہ چیز اپنے قبضے میں لے لی ہو۔ بیع باطل سے خریدار کو چیز کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ نتائج کا یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ فاسد و باطل دو مختلف چیزیں ہیں۔

(تکملہ ردالمحتار ۷:۱۶۹)

ہر وہ چیز جو بیع کے رکن، یعنی ایجاب وقبول اور محل بیع میں خلل پیدا کرے، اس سے بیع باطل ہو جاتی ہے، مثلاً اگر خرید وفروخت کا معاملہ کوئی پاگل یا بے سمجھ نابالغ بچہ کرے تو بیع باطل ہوگی۔ اسی طرح محل بیع، یعنی فروخت شدہ چیز میں اگر کوئی شرعی خلل ہو جیسے وہ مردار ہو، یا خون ہو یا شراب، یا وہ کوئی آزاد انسان ہو تو اس سے بھی بیع باطل ہوگی۔ اگر خلل ونقص رکن بیع (ایجاب وقبول) اور محل بیع کے علاوہ کسی اور چیز میں ہو جیسے فروخت شدہ چیز کی قیمت شراب کی صورت میں ہو، یا وہ کوئی ناقابل سپردگی چیز ہو، یا معاہدے میں کوئی ایسی شرط ہو جو تقاضائے معاہدہ کے منافی ہو تو اس سے بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل۔ اس کے باطل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع کے رکن، یعنی

ایجاب وقبول اور محل معاہدہ، دونوں نقص سے پاک ہیں۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وصف بیع ایک خارجی امر ہے جس کا رکن بیع اور محل بیع سے کوئی تعلق نہیں۔ (وصف میں خلل بیع کو فاسد کرتا ہے نہ کہ باطل)۔

شرح مسکین میں آیا ہے کہ فاسد معاملے کو باطل معاملے سے جدا کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ عوضین (مبیع اور ثمن) میں کوئی ایک بھی اگر کسی آسمانی مذہب میں مال نہ سمجھا جاتا ہو تو ایسی چیز کی خرید وفروخت باطل ہوگی، چاہے وہ چیز مبیع ہو یا ثمن، چنانچہ مردار، خون اور آزاد انسان کی بیع باطل ہے۔اسی طرح مردار، خون اور آزاد انسان کو کسی فروخت شدہ چیز کا ثمن بنانا بھی ناجائز ہے، لیکن اگر مذکورہ اشیاء کسی آسمانی مذہب میں مال کی حیثیت رکھتی ہیں تو انہیں ثمن تو بنایا جاسکتا ہے، لیکن مبیع نہیں۔ چنانچہ اگر انہیں ثمن، یعنی کسی فروخت شدہ چیز کی قیمت بنایا گیا تو بیع فاسد ہوگی، لیکن اگر انہیں مبیع بنایا گیا تو بیع باطل ہوگی۔

درست بات یہ ہے کہ مذکورہ ضابطہ باطل اور فاسد کے درمیان محض محل بیع کے لحاظ سے ہے۔ اوپر کی گفتگو میں رکن بیع اور محل بیع کے لحاظ سے جو بات بیان کی گئی ہے، اس میں زیادہ عمومیت ووسعت ہے، (یعنی رکن اور محل بیع میں خلل بطلان بیع کا سبب ہے اور وصف یا امر خارجی میں خلل فساد بیع کا موجب ہے)۔ (تکملہ ردالمحتار ۷:۱۷۰)

۱۔ بیع باطل

ہر وہ بیع جس میں شرائط انعقاد، (یعنی ارکان بیع سے متعلق ضروری امور) میں سے کوئی شرط، جیسے فریقین معاہدہ کی اہلیت، محل بیع یعنی بیع کا جائز ہونا، پوری نہ ہو، بیع باطل ہے۔ایسی بیع پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا، کیوں کہ شرعی حکم تو ایسی بیع کا ہوتا ہے جس کا کوئی وجود ہو۔ بیع باطل کا ماسوائے ظاہری شکل کے کوئی وجود نہیں۔اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ کوئی شرعی تصرف اہلیت اور محل بیع کی مشروعیت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔حقیقی تصرف وہی ہے جو معاہدے کی اہلیت رکھنے والے فرد کی طرف سے ایک جائز محل بیع پر ہو۔اس بناء پر مردار، خون اور بول وبراز اور نر جانوروں کے مادہ منویہ کی فروخت، نیز ایسی اشیاء کا سودا جو مال نہیں ہیں، بیع باطل ہیں۔ (بدائع

الصنائع ۵:۳۰۵)

انعقاد بیع کی شرائط

بیع کے منعقد ہونے کی شرائط چار طرح کی ہیں:

- فریقین معاہدہ سے تعلق رکھنے والی شرائط
- نفس معاہدہ سے تعلق رکھنے والی شرائط
- مجلس معاہدہ سے تعلق رکھنے والی شرائط
- موضوع معاہدہ سے تعلق رکھنے والی شرائط

فریقینِ معاہدہ کی دو شرائط ہیں۔ اولاً: عقل، اور ثانیاً: تعدد، یعنی معاہدہ کرنے والوں کا ایک سے زائد ہونا۔ پاگل اور ناسمجھ بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایسے شخص کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی جو بائع و مشتری دونوں کی طرف سے وکیل ہو، ہاں البتہ والد، وصی اور قاضی دونوں فریقوں کے وکیل بن سکتے ہیں۔

فریق معاہدہ کے لیے بالغ اور آزاد ہونا شرط نہیں۔ نابالغ بچہ اور غلام خرید وفروخت کا معاہدہ کر سکتے ہیں، تاہم ایسا معاہدہ بچے کے سرپرست اور غلام کے آقا کی اجازت تک موقوف رہے گا۔

نفس معاہدہ کی بھی دو شرطیں ہیں۔ اولاً: ایجاب وقبول میں مطابقت۔ اگر قبول کرنے والے نے، جس چیز کی پیشکش کی گئی تھی، اس کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول کیا، یا اس پیشکش کو جزوی طور پر قبول کیا، یا پیشکش میں بیان کردہ قیمت پر راضی نہیں ہوا، یا قیمت کے کسی حصے پر راضی ہوا تو ایسی صورت میں بیع منعقد نہیں ہوگی، ماسوائے شفعہ کے، جس میں جزوی طور پر کسی چیز کو قبول کیا جاسکتا ہے، مثلاً اگر ایک شخص نے ایک سودے میں ایک غلام اور ایک جائیداد اکٹھی بیچی تو شفعہ کنندہ صرف جائیداد کو قبول کرسکتا ہے۔ ثانیاً: ایجاب وقبول کا لفظ ماضی میں ہونا۔

مجلس معاہدہ کی صرف یہ شرط ہے کہ مجلس معاہدہ ایک ہو۔

موضوع معاہدہ کی شرائط چھ ہیں۔ اولاً: وہ موجود ہو۔ ثانیاً: وہ مال ہو۔ ثالثاً: وہ مالیت کی

حامل کوئی چیز ہو۔ رابعاً: وہ شئے قابل ملکیت ہو (یعنی مباحات میں سے نہ ہو کہ وہ شخصی ملکیت بن نہیں سکتیں)۔ خامساً: اگر بائع کوئی چیز اپنے لیے فروخت کر رہا ہے تو وہ چیز اس کی ذاتی ملکیت میں ہو، (اگر بطور وکیل فروخت کر رہا ہو تو اس صورت میں چیز کا اس کی شخصی ملکیت میں ہونا ضروری نہیں)۔ سادساً: وہ چیز قابل سپردگی ہو۔ کسی معدوم چیز یا ایسی چیز کی بیع جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہو، درست نہیں۔ جیسے حمل کی جانور کے رحم میں، دودھ کی تھن میں بیع، نیز پھلوں کی پختگی سے پہلے فروخت۔ اسی طرح آزاد انسان، مدبر (وہ غلام جو آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتا ہے)، امّ ولد (ایسی لونڈی جو اپنے آقا کے بچے کی ماں بنے)، مکاتب (وہ غلام جو اپنے آقا کو ایک متعین قیمت ادا کر کے آزادی حاصل کرے)، نیز مردار اور خون کی بیع، اسی طرح مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر کی بیع بھی درست نہیں۔ گھاس کی فروخت بھی درست نہیں چاہے وہ بائع کی مملوکہ زمین میں ہی کیوں نہ ہو، (کیونکہ وہ مباحات میں سے ہے جس سے تمام افراد فائدہ اٹھا سکتے ہیں)۔ دریا اور کنویں سے پانی کی فروخت، شکار، ایندھن اور گھاس کی اپنی محنت سے جمع کر لینے سے پہلے فروخت، یہ سب ناجائز بیع میں داخل ہیں۔ جو چیز بائع کی ملکیت میں نہیں، اس کی بیع بھی درست نہیں، چاہے وہ بعد میں اس کا مالک بن جائے۔ اس میں استثناء سلم اور غصب شدہ چیز کی فروخت ہے۔ فضولی (self-imposed agent) کی بیع اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہے۔ وکیل کی بیع نافذ العمل ہے۔ اسی طرح ایسی چیز کی فروخت جسے خریدار کو سپرد نہ کیا جا سکتا ہو، ایک ناجائز معاملہ ہے، جیسے گھر سے بھاگے ہوئے غلام، ہوا میں پرندوں اور سمندر میں مچھلی کی بیع۔ (واضح رہے کہ شرائط انعقاد بیع بنیادی طور پر بیع کے وہ بنیادی امور ہیں جن کے نہ ہونے سے بیع منعقد نہیں ہوتی، یا ان میں خلل سے بیع باطل ہو جاتی ہے)۔

(تکملہ ردالمحتار ۷:۱۱)

۲- بیع فاسد

بیع فاسد وہ بیع ہے جس میں صحت بیع کی ضروری شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے۔ (بدائع الصنائع ۵:۲۹۹)

صحت بیع کی شرائط

- بیع اور قیمت کا دونوں فریقوں کو علم ہو تاکہ لاعلمی کی بنا پر دونوں میں کسی جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔ اگر بائع نے کہا: میں نے اس ریوڑ میں سے ایک بکری یا اس ڈھیر میں سے ایک کپڑا فروخت کیا تو بیع (چیز کے عدم تعین کی بنا پر) فاسد ہوگی۔
- معاہدۂ بیع فاسد شرائط سے خالی ہو۔

اس کی متعدد انواع ہیں:

(الف) کسی ایسی شرط کا ہونا جس میں ابہام اور غیر یقینیت کا عنصر پایا جاتا ہو، مثلاً خریدار نے اونٹنی اس شرط پر خریدی کہ وہ حاملہ ہوگی۔

(ب) کوئی ایسی شرط جو تقاضائے عقد کے منافی ہو، یا بائع و مشتری میں سے کسی ایک کو خصوصی فائدہ پہنچاتی ہو، مثلاً کسی نے اس شرط پر مکان فروخت کیا کہ بائع اس میں ایک ماہ تک خود رہے گا۔

(ج) معاہدۂ بیع میں ایک فریق کا اپنے لیے ہمیشہ کے لیے فسخ معاہدہ کا حق محفوظ رکھنا۔

(د) حق فسخ کا ایسے وقت کے ساتھ مشروط ہونا جس کے واقع ہونے میں ابہام اور غیر یقینیت ہو جیسے ہوا کے چلنے یا بارش کے برسنے کے ساتھ اس حق کو مشروط کرنا۔

(ہ) معاہدے کا اکراہ کے تحت ہونا۔ اگر کسی شخص کو زبردستی کسی سودے پر مجبور کیا گیا تو ایسی بیع فاسد ہوگی۔

(و) ادھار بیع میں قیمت کی ادائیگی کی مدت کا معلوم و مقرر نہ ہونا۔

(ز) منقولہ شے کی بیع میں بائع کے قبضے کا نہ ہونا۔ قبضے سے قبل چیز کی فروخت درست نہیں۔ تاہم غیر منقولہ چیز کی قبضے سے قبل فروخت ہوسکتی ہے۔

(ح) ربوی اموال (وہ اموال جن میں ربا واقع ہوتا ہے) کی صورت میں دونوں طرف کے معاوضوں کا مقدار میں برابر ہونا۔ (بدائع الصنائع، ملخصاً ۵:۱۵۶-۱۸۰)

بیع فاسد کا حکم

جب مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا، جب کہ عقد میں دونوں عوض مال تھے، تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا اور اس پر چیز کی بازاری قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قبضہ کرنے سے اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ بیع فاسد ایک ممنوع معاملہ ہے۔ اس بناء پر وہ نعمت ملکیت سے متمتع نہیں ہوسکتا۔ شرعی ممانعت نے اس کے جواز کو ختم کردیا ہے، کیونکہ ممانعت اور جواز ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس عدم مشروعیت کی بناء پر یہ سودا بنائے ملکیت نہیں بن سکتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی نے کوئی چیز مردار کے عوض بیچی، یا شراب درہموں کے بدلے میں بیچی تو اس بیع میں خریدار کو محض قبضے کی بناء پر چیز کے ملکیتی حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس بیع میں رکن بیع، یعنی ایجاب وقبول موجود ہے اور وہ ایسے دو افراد سے صادر ہوا ہے جو معاہدے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ ایجاب وقبول ایسی چیز کے ساتھ وابستہ ہے جو موضوع معاہدہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہٰذا بیع کے منعقد ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مذکورہ صورت میں اہلیت فریقین معاہدہ اور موضوع معاہدہ کی صلاحیت میں کوئی شک وشبہ یا ابہام نہیں، اور بیع کا رکن یہی ہے کہ مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہو (اور یہ صورت یہاں موجود ہے)۔

جہاں تک ممانعت کا تعلق ہے تو اس کی موجودگی میں جواز معاملہ کا تصور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نفس بیع جائز ہے اور اس سے ملکیت کا حق حاصل ہوسکتا ہے۔ ممانعت محض بیع سے متصل ایک خارجی امر کی بناء پر ہے جیسے اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت (کہ یہ بیع فی نفسہ مشروع وجائز ہے، مگر اس کی ممانعت ایک ممنوع وقت میں واقع ہونے کی بنا پر ہے)۔ قبضے سے پہلے حق ملکیت کو جائز اس لیے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس طرح بیع کے ساتھ ملحق موجب خرابی امر کو تقویت ملے گی، جبکہ خرابی (غیر مشروع امر) کا ازالہ واجب ہے، اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ مشتری سودے کو رد کردے۔ بائع کا مشتری کے اس حق اور مطالبے سے انکار کرنا (یعنی بائع کی طرف سے چیز کا واپس لینے سے انکار) اس فساد اور غیر مشروع امر کو مزید مستحکم کرنے کا سبب بن

سکتا ہے۔

بیع فاسد میں ملکیت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے، کیونکہ معاہدے کے ساتھ ایک ناپسندیدہ امر ملا ہوا ہوتا ہے۔ اس بنیاد کو قبضے کے ذریعے ہی مضبوط بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے۔ ہبہ کردہ چیز پر قبضے کے بغیر ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

بیع فاسد کو مردار کی بیع پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مردار مال نہیں ہے۔ مردار کے بدلے کسی چیز کی فروخت کی صورت میں بیع کا رکن معدوم ہوتا ہے۔ شراب، اگر مبیع بن رہی ہو تو اس (کے عدم جواز کا) حکم ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور چیز یاد رکھنے کی ہے کہ شراب ثمن تو بن سکتی ہے، مبیع نہیں بن سکتی۔ اگر سودے میں شراب کو ثمن بنایا جائے تو اس صورت میں خریدار پر واجب الادا چیز اس کی بازاری قیمت ہے نہ کہ طے شدہ ثمن۔

امام قدوری نے متن میں یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ قبضہ (جو موجب ملکیت ہوتا ہے) بائع کی اجازت سے ہو اور یہی ظاہر الروایت ہے۔ اجازت کے لیے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں۔ یہ اجازت بائع اپنے فعل سے بھی دے سکتا ہے، مثال کے طور پر خریدار مجلس معاہدہ میں چیز کا قبضہ لے لے۔ یہ درست بات ہے، کیونکہ بیع کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ بائع خریدار کو چیز پر قبضے کا حق دے۔ چنانچہ اگر خریدار خریدی ہوئی چیز کو جدا ہونے سے پہلے پہلے بائع کی موجودگی میں اپنے قبضے میں لے لے اور بائع بھی اسے ایسا کرنے سے نہ روکے تو گویا بائع خود اسے یہ اختیار دے رہا ہے۔ ہبہ کی صورت میں بھی مجلس معاہدہ میں ہبہ شدہ چیز پر قبضہ کر لینا بطور استحسان جائز ہے۔

فریقین معاہدہ میں سے ہر ایک کو بیع فاسد کو فسخ کرنے کا اختیار ہے تاکہ خرابی کو دور کیا جا سکے۔ اس اختیار کا قبضے سے پہلے حاصل ہونا ایک بدیہی امر ہے، کیونکہ وہ ابھی تک باعث انتقال ملکیت نہیں بنا، لہٰذا اس سے رکنا اور باز رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح قبضے کے بعد بھی دونوں کو فسخ کا حق حاصل ہوگا، خاص طور پر جبکہ خرابی اصل عقد میں ہو، چونکہ یہ ایک سنگین خرابی ہے، لہٰذا معاہدے کو فسخ کرنا ضروری ہے اور یہ حقِ فسخ دونوں کو حاصل ہے، لیکن اگر خرابی کا سبب کوئی شرط

فاسد ہے تو اس صورت میں فسخِ معاہدہ کا حق اسے حاصل ہوگا جس کے مفاد میں شرط ہے، اسے حاصل نہ ہوگا جس کے خلاف شرط ہے، کیونکہ عقد اس کے حق میں قوی اور نا قابل فسخ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب شرط کو حق فسخ کیوں حاصل ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں اس کی کامل رضامندی شامل نہیں تھی، (بلکہ مشروط رضامندی تھی) لہٰذا اسے فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر مشتری نے اس مبیع کو جو اس نے بیع فاسد کے ذریعے خریدی تھی، آگے بیچ دیا تو بیع نافذ ہوگی، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور وہ اس میں تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اب بائع اول کا اپنی چیز کو واپس لینے کا حق بھی ساقط ہوگیا، کیونکہ اب اس کے ساتھ دوسرے مشتری کا حق وابستہ ہے۔ پہلی بیع کا توڑنا حق شرع کی وجہ سے تھا، لیکن چونکہ بندے کا حق شرع کے حق پر مقدم ہے، لہٰذا اب بیع کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیع اول اپنے اصل کے لحاظ سے مشروع تھی، مگر وصف (خارجی امر) کے لحاظ سے غیر مشروع تھی، لیکن بیع ثانی اصل اور وصف دونوں کے لحاظ سے مشروع ہے، لہٰذا جو خرابی بیع اول میں ہے، وہ بیع ثانی میں نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ دوسری بیع اصل بائع کی طرف سے اسے اختیار تصرف دینے کی بناء پر ہے، (یعنی بائع اول نے مشتری اول کو اختیار دیا اور مشتری نے اسی اختیار کی بناء پر وہ چیز آگے فروخت کی)۔ (الهدایہ،۳:۵-۵۲)

۳- بیع موقوف

غیر جائز بیع کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) باطل، (۲) فاسد اور (۳) موقوف (یہ ایسی بیع ہے جس کا نفاذ یا اس پر عمل درآمد کسی امر پر موقوف ہوتا ہے۔ مثلاً سات سال سے اوپر کے نابالغ لڑکے کی خرید و فروخت اس وقت تک موقوف رہے گی، جب تک کہ اس کا سرپرست اس سودے کی منظوری نہ دے دے یا راہن کی طرف سے مال مرہون کی فروخت اس وقت تک موقوف رہے گی، جب تک صاحبِ حق یعنی مرتہن اس کی اجازت نہ دے دے۔ بیع موقوف کی صورتیں یہ ہیں:

(۱) غلام اور (۲) نابالغ بچے جن کی خرید و فروخت پر پابندی ہو، ان کی بیع آقا، والد یا وصی کی اجازت پر موقوف ہے۔ (۳) تجارتی معاملات میں مناسب سمجھ بوجھ سے عاری شخص (سفیہ) کی

خرید وفروخت کا معاملہ قاضی کی اجازت تک موقوف رہے گا۔(۴) مال مرہون،(۵) کرایے پر دی ہوئی چیز،اور(۶) بٹائی پر دی ہوئی زمین کی فروخت بالترتیب مرتہن، کرایہ داراور مزارع کی منظوری پر موقوف رہے گی، تاہم اگر دونوں فریق عقد اجارہ ختم کردیں، یا مرتہن راہن کو مال مرہون اس بناء پر واپس کردے کہ راہن نے قرض ادا کردیا ہے یا مرتہن نے اپنا قرض چھوڑ دیا ہے،تو ایسی صورت میں بیع نافذ ہوجائے گی اور مشتری کوفروخت شدہ چیز کی سپردگی بائع پر لازم ہوجائے گی۔(۷) اسی طرح اگر بائع بیچی ہوئی چیز کو جس پر مشتری قبضہ کرچکا ہے، کسی اور کو بیچ دے تو ایسی صورت میں بھی بیع اصل مالک، یعنی مشتری کی منظوری کے بغیر جائز نہیں۔اسی طرح منقولہ اشیاء پر قبضے کے بغیر ان کی آگے فروخت درست نہیں۔ جائیداد اور غیر منقولہ اشیاء کی قبضے سے پہلے فروخت کے معاملے پر فقہاء(فقہائے احناف) میں اختلاف ہے۔(۸) مرتد شخص کی خرید وفروخت بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع موقوف ہے۔(۹) اگر کوئی چیز اس پر لکھی ہوئی قیمت پر فروخت کی جائے، جبکہ مشتری اس لکھی ہوئی قیمت سے لاعلم ہوتو یہ بیع اس وقت تک نافذ نہیں ہوگی، جب تک خریدار مجلس معاہدہ میں اس لکھی ہوئی قیمت سے آگاہ نہ ہوجائے۔(۱۱) اس سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ اس چیز کی تم اتنی قیمت دے دو، جتنی فلاں سے میں نے وصول کی اور مشتری کو اس نے نہیں بتایا کہ فلاں نے کتنی قیمت دی تھی۔یہ بیع بھی مشتری کی مجلس معاہدہ میں قیمت کی آگاہی تک موقوف رہے گی۔(۱۱) غصب شدہ مال کی فروخت کا معاملہ بھی اس وقت تک موقوف رہے گا، جب تک غاصب غصب کا اعتراف نہ کرلے، یا اس کے انکار کی صورت میں غصب شدہ چیز کا مالک اس کے خلاف غصب کا کوئی ثبوت نہ لے آئے۔(۱۲) دوسرے کے مال کو بغیر اس کی پیشگی اجازت کے بیچنا بھی بیع موقوف ہے، جب تک فروخت شدہ چیز کا مالک اس کی منظوری نہ دے دے۔ (فتح القدیر ۶:۴۲-۴۳)

باب سوم

معاہدۂ بیع: ارکان، شرائط اور احکام

فصل اوّل: مبیع کی شرائط

مبیع کے شرعاً قابلِ فروخت ہونے کے لیے حسب ذیل شرائط ہیں:

پہلی شرط: مبیع کا مال ہونا

مبیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو، کیونکہ ''بیع'' مال کے ساتھ مال کے تبادلے کا نام ہے۔

- آزاد انسان کی فروخت

آزاد انسان کی فروخت منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ مال نہیں۔ یہی صورت ام ولد کی ہے، کیونکہ وہ ایک طرح سے آزاد عورت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے بچے نے اسے آزاد کردیا۔'' مزید فرمایا: ''اسے نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے۔ وہ اس کے مال کے ایک تہائی میں سے آزاد شدہ ہے''۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ولد کی بیع کی مطلقاً ممانعت فرمادی اور اسے آزاد انسان کی حیثیت دے دی۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۰)

- مردار اور خون کی بیع

مردار اور خون کی بیع بھی جائز نہیں، کیوں کہ وہ مال نہیں ہے۔ مجوسی، مرتد اور مشرک کے ذبیحے کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ مردار ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دینے والے کا ذبیحہ بھی حرام ہے، البتہ امام شافعیؒ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ یہی حکم پاگل اور ناسمجھ بچے کے ذبیحے کا ہے، کیونکہ یہ ذبیحہ بھی مردار کے حکم میں ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۱)

- درندوں کے گوشت اور کھال کی فروخت

چیر پھاڑ کر کھانے والے جانوروں کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ شرعاً ان سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ پھاڑ کر کھانے والے جانور کی فروخت درست ہے، بشرطیکہ اسے ذبح کرلیا جائے۔ ذبح کرنے سے وہ پاک ہوگیا۔

درندے، گدھے اور خچر کی کھال کی اگر شرعی طور پر دباغت کر دی جائے، یا انہیں شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو ان کی بیع درست ہے، کیونکہ شرعاً وہ مال ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، لیکن اگر کھال رنگی ہوئی نہ ہو اور نہ جانور کو ذبح ہی کیا گیا ہو تو بیع درست نہ ہوگی۔ اگر جانور کو ذبح کر لیا گیا، مگر کھال کی دباغت نہ ہوسکی تو مردار کی رطوبتیں اس میں باقی رہیں گی، اسی بناء پر اس کا حکم مردار کا ہوگا۔ خنزیر کی کھال کی بیع کسی طرح بھی منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اپنے تمام اعضاء واجزاء سمیت نجس العین ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی کھال کو رنگنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

- مردار کی ہڈیاں اور بال

رہی مردار کی ہڈیاں، اس کے پٹھے، اس کے بال، اس کی اون، اس کا ریشم، اس کے پاؤں کا چمڑا، اس کے کھر اور ناخن، تو ان چیزوں کو فروخت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہمارے نزدیک پاک ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ان کی فروخت جائز نہیں، کیونکہ وہ انہیں نجس سمجھتے ہیں۔

خنزیر کی ہڈیاں اور اس کے پٹھے فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ خنزیر نجس العین ہے۔ اس کے بالوں کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ پاک ہیں اور ان کی بیع جائز ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ نجس ہیں، ان کی بیع درست نہیں، کیونکہ وہ نجس العین خنزیر کا جزء ہیں، البتہ موچیوں کی ضرورت کے پیش نظر (جوتوں کی سلائی کے لیے) اس کی اجازت دی گئی ہے۔

(بدائع الصنائع ۵:۱۴۲)

- درندوں اور کتے کی خرید وفروخت

پنجوں اور ناخنوں والے پرندوں کو فروخت کرنا بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، خواہ وہ

سدھائے ہوئے ہوں، یا سدھائے ہوئے نہ ہوں۔ کچلیوں والے درندوں، ماسوا خنزیر کے، جیسے کتا، چیتا، شیر، تیندوا، بھیڑیا اور بلی وغیرہ کی فروخت ہمارے ائمہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام محمد بن حسن شیبانی کی مشہور کتاب الأصل میں مذکور روایت کی رو سے ہمارے نزدیک ان کے تربیت یافتہ ہونے یا غیر تربیت یافتہ ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں، لہٰذا وہ سدھائے ہوئے ہوں، یا نہ ہوں، ان کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کاٹنے والے کتے کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

امام شافعیؒ کے موقف کی دلیل نبی علیہ السلام کی یہ حدیث ہے: ''زنا کا معاوضہ اور کتے کی قیمت حرام کمائی ہیں''۔ اگر کتے کو فروخت کرنا جائز ہوتا تو آپ اس کی قیمت کو حرام قرار نہ دیتے، نیز نجس العین ہے، لہٰذا خنزیر کی طرح اس کی فروخت بھی جائز نہیں، تاہم چوکیداری اور شکار کی غرض سے اسے رکھنا، یعنی بوجہ ضرورت اس سے فائدہ اٹھانا جائز قرار دیا گیا ہے، مگر یہ بات اس کی فروخت کے جواز کے لیے کافی نہیں، کیونکہ خنزیر کے بالوں کا یہی حکم ہے (حالانکہ خود خنزیر کی خرید وفروحت حرام ہے، کیونکہ وہ نجس العین ہے)۔ اس کے برعکس ہمارا استدلال یہ ہے کہ کتا مال ہے۔ اس بناء پر اسے شاہین اور باز کی طرح فروخت کرنا جائز ہے اور اس بات کی دلیل کہ وہ مال ہے، یہ حقیقت ہے کہ اس سے شرعاً فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ چوکیداری اور شکار کی غرض سے مطلقاً اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محل بیع بن سکتا ہے، اور جب بیع ایسی اشیاء سے متعلق ہو جو حقیقتاً قابل انتفاع ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جائز و مشروع ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کی مشروعیت وجواز ہی کی بناء پر انسان انہیں اپنے لیے مخصوص کر سکتا ہے تاکہ کسی ممکنہ جھگڑے کا خاتمہ ہو۔ اور یہ مقصد انہی چیزوں میں حاصل ہو سکتا ہے جن سے شرعاً علی الاطلاق نفع حاصل کرنا جائز ہو، نہ کہ ایسی چیزوں میں جن سے نفع اٹھانا جائز نہ ہو۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کتوں کی بیع کی ممانعت ہے، اس کے بارے میں احتمال یہ ہے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہو۔ اس وقت لوگ کتے پالنے کے عادی تھے، اور اس عادت پر ان کی سرزنش کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا، نیز ان کی بیع کی ممانعت فرمائی۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۴۲-۱۴۳)

● انسانی بالوں کی فروخت

انسانی بالوں کو فروخت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی درست نہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کے موقع پر اپنا سر منڈوایا تو اپنے بال صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمائے۔ اگر بال نجس ہوتے تو آپ ایسا نہ کرتے، کیونکہ نجس چیز سے برکت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اوّل الذکر قول کی بنیاد یہ ہے کہ انسان محترم و مکرم مخلوق ہے، اس کی تحقیر و توہین روا نہیں۔ اس بناء پر اس کے اعضاء و اجزاء کی اہانت و تحقیر بھی جائز نہیں، جب کہ اس کی فروخت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا مطلب اس کی تحقیر کرنا ہے۔ اس موقف کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واصلہ (بال پیوند کرنے والی) اور مستوصلہ (بال پیوند کرانے والی) پر لعنت کی ہے۔ پیوند کرانے اور جوڑنے کی اجازت صرف اس حد تک ہے کہ عورتیں بالوں کی افزائش کی غرض سے اون کے بال اپنی چوٹیوں اور زلفوں میں پیوند کریں۔ (فتح القدير ٦٣:٦)

● عورت کے دودھ کی فروخت

کسی عورت سے برتن میں حاصل شدہ دودھ کی فروخت جائز نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی فروخت جائز ہے، کیونکہ وہ پاک مشروب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ دودھ آدمی کا جزء ہے اور انسان اپنے تمام اعضاء سمیت قابل احترام ہے اور اس کی خرید و فروخت کرنا اس کی اہانت کے مترادف ہے۔ (الهدايه مع شرح فتح القدير ٦١:٦)

عورت کے دودھ کی بیع ہمارے (شافعیہ کے) نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ ماوردی، شاشی اور رویانی کے علاوہ سب اصحابِ شافعی اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائل ہمارے اصحاب کا موقف یہ ہے کہ وہ نجس ہے، لہٰذا اس کی فروخت درست نہیں، لیکن چونکہ بچے کی نشو ونما کے لیے دودھ ضروری ہے، لہٰذا اس مخصوص ضرورت کے پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے۔ [ہماری نگاہ میں] یہ ایک غلط استدلال ہے۔ درست بات یہ ہے کہ اس کی فروخت جائز ہے۔ ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک اس کی فروخت درست نہیں۔ عدم جواز

کے قائل حضرات کا استدلال یہ ہے کہ عام طور پر اس کی فروخت نہیں ہوتی، پھر یہ کہ وہ آدمی کے فضلے کی مانند ہے جیسے آنسو، پسینہ اور بلغم جنہیں بیچا نہیں جاتا، نیز جو چیز متصلاً نہیں بیچی جاسکتی، اسے علیحدہ بھی نہیں بیچا جاسکتا، جیسے انسان کے بال۔

مزید براں جس جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں، اس کے دودھ کی فروخت بھی جائز نہیں ہے، جیسے گدھی کا دودھ۔ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ وہ پاکیزہ اور نفع مند ہے، لہٰذا اس کی بیع بکری کے دودھ کی طرح جائز ہے۔ روٹی کی طرح وہ بھی انسان کی غذا ہے۔ چنانچہ جس طرح روٹی کی فروخت جائز ہے، اسی طرح دودھ کی فروخت بھی جائز ہے۔

(المجموع شرح المهذب ۹:۲۵۴)

● آلات موسیقی کی فروخت

موسیقی کے آلات، مثلاً بربط، طبلہ، بانسری، دف وغیرہ کا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیچنا جائز ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کی بیع منعقد نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ آلات تفریح اور فسق وفجور کے لیے بنائے جاتے ہیں، لہٰذا یہ مال نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آلات موسیقی سے ازروئے شرع ایک اور پہلو سے استفادہ ممکن ہے، وہ اس طرح ہے کہ ان اشیاء کے برتن بنادیے جائیں، یا اسی طرح کے کسی اور مفید کام میں انہیں استعمال کیا جائے۔ اس طرح ان کی مالیت (monetary value) برقرار رہتی ہے۔ رہا صاحبین کا یہ کہنا کہ وہ لہوولعب اور فسق وفجور کے آلات ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ درست ہے، لیکن اس سے ان کی مالیت ختم نہیں ہوتی، لہٰذا انہیں جائز استعمال میں لایا جائے نہ کہ ناجائز استعمال میں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے انہیں توڑا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر تاوان لازم آئے گا۔ صاحبین کے نزدیک اس پر تاوان نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۴-۱۴۵)

دوسری شرط : طیب وپاک ہونا

مبیع کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ شرعاً پاک چیز ہو، (یعنی شریعت نے اسے پاکیزہ قرار دیا ہو)، چنانچہ کتے کی فروخت جائز نہیں، چاہے وہ سدھایا ہوا ہو (واضح رہے کہ یہ موقف شافعی فقہاء

کا ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک شکاری کتے کی خرید وفروخت جائز ہے)، اسی طرح شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں اور تمام نجسِ عین اشیاء یا ایسی دو مشکوک چیزیں جن میں سے ایک پاک ہو اور دوسری ناپاک ہو اور وہ آپس میں مل جائیں، تاہم اگر ان میں سے کسی ایک کا پاک ہونا واضح ہو جائے، چاہے اجتہاد ہی سے کیوں نہ ہو تو وہ جائز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بت کی فروخت کو حرام کر دیا''۔ اسی طرح کسی ایسی نجاست آلود چیز کی فروخت بھی درست نہیں جسے پاک نہ کیا جا سکتا ہو، جیسے سرکہ، دودھ اور مختلف رنگ، نیز ایسی اینٹ جو نجاست آمیز مٹی سے بنائی گئی ہو، (اس کی خرید وفروخت بھی درست نہیں)، تاہم اس سے بنایا گیا گھر فروخت کیا جا سکتا ہے، اور ایسی زمین بھی فروخت کی جا سکتی ہے جس کی مٹی کو نجاست والی کھاد سے زرخیز کیا گیا ہو۔ اس جواز کی وجہ یہ ہے اب گندگی کی حیثیت ضمنی ہے، پھر یہ کہ مکان وزمین کی ضرورت بھی رہتی ہے، چنانچہ گندگی کو مکان اور زمین کے سلسلے میں نظر انداز کیا جائے گا۔ تیل اور چربی وغیرہ میں، اگر نجاست ملی ہوئی ہو، تو وہ بھی نجس کے حکم میں ہے، کیونکہ اسے پاک نہیں کیا جا سکتا۔

(نهاية المحتاج ۳:۳۹۲-۳۹۴)

تیسری شرط : مبیع کا موجود ہونا

محل عقد کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو، چنانچہ معدوم چیز یا ایسی چیز جس کے بارے میں خدشہ یا اندیشہ ہے کہ وہ معدوم ہے، قابل بیع نہیں ہے، اس کی مثال ایک جانور کے ہونے والے بچے کے بچے کی فروخت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ اس اونٹنی کے بچے کا بچہ میں نے تمہیں فروخت کیا۔ اسی طرح جانور کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے، اسے فروخت کرنا بھی بیع معدوم ہے۔ پہلی مثال معدوم کی بیع کی ہے اور دوسری مثال (یعنی پیٹ میں بچے کی فروخت) ایک ایسی چیز کی بیع ہے جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔ اسی طرح کی ایک صورت تھنوں میں دودھ کی فروخت ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ تھنوں میں (دودھ کے بجائے) ہوا بھری ہوئی ہو۔ پھل اور فصل کو ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا بیع

معدوم ہے، البتہ انہیں ظاہر ہونے کے بعد فروخت کیا جا سکتا ہے، چاہے ان میں ابھی پختگی نہ آئی ہو۔ ایسا کرنا اسی صورت میں جائز ہوگا جب معاہدہ (پھلوں کو) درخت پر یا (اناج کو) کھیتی میں باقی رکھنے کی شرط سے خالی ہو۔ ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک یہ بیع اسی وقت درست ہے جب ان سے کسی نہ کسی طرح فائدہ اٹھانا ممکن ہو، لیکن اگر ان سے کسی طرح بھی فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو اس حالت میں بیع درست نہ ہوگی۔ ان مشائخ کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ آپؐ نے پھل پکنے سے پہلے ان کی فروخت سے منع کیا ہے۔ یہ ممانعت اس بناء پر بھی ہے کہ پھل جب تک پک نہ جائیں ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ پختہ ہونے سے پہلے وہ مال کی تعریف میں نہیں آتے، لہٰذا ان کی فروخت جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۳۸-۱۳۹)

چوتھی شرط : مفید اور نفع آور ہونا

بیع کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع شرعاً مفید اور نفع آور ہو، اگر چہ اس کی افادیت مستقبل میں ظاہر ہو، جیسے گھوڑے یا گدھے کا چھوٹا بچہ جس کی ماں مر چکی ہو۔ غیر نفع آور چیزوں میں مال خرچ کرنا حماقت ہے اور غیر نفع آور چیز دے کر دوسرے سے قیمت لینا ناجائز طریقے سے مال کھانا ہے، لہٰذا کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض جیسے چوہیا، سانپ، چیونٹی وغیرہ کی فروخت درست نہیں۔ چاہے ان چیزوں میں وہ فوائد واقعتاً موجود ہوں جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں۔ اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ چیزیں ہیں جو کھائی جاتی ہیں، یا جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے جیسے گوہ وغیرہ۔ شہد کی مکھی، ریشم کے کیڑے اور جونک کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ایسے پرندے اور وحشی جانور جن سے شکار یا حفاظت کا کام نہ لیا جا سکتا ہو، ان کی فروخت بھی درست نہیں۔ ان میں وہ چیتا بھی شامل ہے جسے بوڑھا ہونے کی بناء پر شکار کی تربیت نہ دی جا سکتی ہو۔ ہاتھی کی خرید وفروخت لڑائی کے لیے، بندر کی خرید وفروخت چوکیداری کے لیے، اور بلی کی خرید وفروحت چوہوں کو بھگانے کے لیے اور بلبل کی فروخت اس کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لیے اور مور کی فروخت اس کے رنگ روپ سے متمتع ہونے کی غرض سے جائز ہے۔ یہی صورت گندم، جو اور کشمش کے دو دانوں یا رائی کے بیس دانوں یا دیگر ایسی چیزوں کی ہے جنہیں معمول کے حالات میں خریدنے کے لیے

لوگ پیسہ خرچ نہیں کرتے ، کیونکہ کم مقدار ہونے کی بناء پر عموماً ان کا نفع مند استعمال نہیں ہوسکتا۔ نفع مندی کی شرط کے فقدان کی بناء پر ان اشیاء کی خرید وفروخت بھی درست نہ ہوگی، اسی بناء پر اگر یہ چیزیں ضائع ہوجائیں تو ان پر تاوان لازم نہیں آتا، تاہم یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اتنی مقدار کا غصب کرنا ناجائز ہے، اور غصب کی صورت میں لوٹانا واجب ہے۔

زہر کی فروخت بھی ناجائز ہے، بشرطیکہ وہ ہلاکت کا باعث بنتا ہو، قطع نظر اس کے کہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، البتہ اگر زہر کی کم مقدار فائدہ دیتی ہو اور زیادہ مقدار ہلاک کرتی ہو تو اس کی فروخت جائز ہے، جیسے افیون کی فروخت، اسی طرح آلات لہو وموسیقی، نیز بتوں اور جاندار کی تصویر کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ صلیب کی فروخت بھی مذہبی عقیدت وتعظیم کے طور پر ناجائز ہے، چاہے وہ سونے کی بنی ہوئی ہو۔ ایسا لٹریچر جو شرعاً حرام علم پر مشتمل ہو، اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔ (نہایۃ المحتاج ۳:۳۹۵-۳۹۶ بحذف واختصار)

پانچویں شرط : قابلِ سپردگی ہونا

مبیع کی شرط یہ ہے کہ بائع بغیر کسی بڑی مشقت کے مبیع کو شرعاً اور واقعتاً خریدار کو سپرد کرسکتا ہو۔ اگر وہ اسے سپرد نہ کرسکتا ہو تو بیع درست نہ ہوگی، چنانچہ غصب شدہ چیز، یا گمشدہ جانور، اور ہوا میں پرندے کی فروخت جائز نہیں۔ اسی طرح مچھلی کی ایک ایسے بڑے حوض میں فروخت جہاں سے اسے آسانی سے نکالا نہ جاسکتا ہو، بھی درست نہیں۔ بھاگے ہوئے غلام کی فروخت بھی اسی بناء پر ناجائز ہے۔

اسی طرح چھت میں لگے ہوئے شہتیر، انگوٹھی کے نگینے اور برتن یا تلوار کے ایک متعین نصف حصے کی فروخت بھی درست نہیں، کیونکہ برتن یا تلوار کی ایسی فروخت اسے توڑ کر ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے جس سے اس کی افادیت ختم ہوجاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۳۸-۱۳۹)

معقود علیہ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ معاہدے کے وقت قابل سپردگی ہو۔ اگر وہ (بائع) اسے مشتری کو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی، چاہے وہ چیز اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ ہو، جیسے کسی بھاگے ہوئے غلام کی بیع۔ اگر وہ غلام اس کے قبضے میں آگیا تو فریقین کو نئے

سرے سے ایجاب وقبول کرنا ہوگا۔ ما سوائے اس کے کہ وہ دونوں سابقہ بیع کو بحال کرنے پر راضی ہوجائیں۔اس صورت میں تبادلۂ مال (تعاطی) کی بناء پر وہ ایک نئی بیع ہوگی،لیکن اگر وہ باہم رضا مند نہ ہوں اور بائع غلام کو سپرد کرنے سے انکار کردے تو اسے قبضہ دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔اسی طرح اگر وہ (بائع) سپرد کرنا چاہے اور خریدنے والا اسے لینے پر رضامند نہ ہو تو اسے قبضہ لینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔کرخی نے لکھا ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کی بیع منعقد ہوجاتی ہے، بشرطیکہ وہ بائع کے پاس آ گیا اور اس نے اسے مشتری کے سپرد کردیا۔ازسرنو معاہدے کی ضرورت نہ ہوگی۔

مغصوبہ چیز کی غاصب کے علاوہ کسی اور کو فروخت منعقد ہوجاتی ہے،تاہم ایسی بیع اس چیز کی سپردگی پر موقوف ہوتی ہے۔اگر غاصب نے وہ چیز اسے (مالک کو) سپرد کردی تو بیع نافذ ہوجائے گی۔یہ بیع اس لیے بھی جائز ہے کہ اس کا مالک حاکم وقت یا قاضی کی مدد سے (اس کی بازیابی کرکے) اسے سپرد کرنے پر قادر ہے،لیکن چونکہ فی الحال اس پر غاصب کا قبضہ ہے،اس لیے بیع فوری طور پر نافذ نہیں ہوگی،پھر جب بائع یہ شے مشتری کو سپرد کردے گا تو بیع نافذ ہوجائے گی، بخلاف بھاگے ہوئے غلام کے کہ بائع مطلقاً اس کی سپردگی سے قاصر ہے۔

(بدائع الصنائع ۵:۱۴۷ بحذف واختصار)

چھٹی شرط : مبیع کا معلوم ومتعین ہونا

مبیع کی ایک شرط اس کا علم ہے،یعنی مبیع متعین ہو،اس کی مقدار اور صفت بھی معلوم ہو۔ ذات مبیع کے بارے میں لاعلمی بیع کو باطل کردیتی ہے۔اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ان غلاموں میں سے ایک غلام،یا ان بکریوں میں سے ایک بکری میں نے تمہیں فروخت کی تو بیع باطل ہوگی،(کیونکہ یہاں مبیع کا تعین نہیں کیا گیا)،اور اگر اس نے کہا کہ (غلے کے) اس ڈھیر میں سے ایک صاع میں نے تمہیں بیچا جب کہ یہ معلوم تھا کہ ڈھیر میں کتنے صاع ہیں تو یہ بیع درست ہے اور اس سے متناسب حصہ مراد لیا جائے گا،لیکن اگر اس کے مجموعی صاع غیر معلوم ہیں تو یہ بیع قفال کی رائے کے مطابق درست نہیں،کیونکہ اس کا متناسب حصہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ فروخت کردہ زمین کے ساتھ گزرگاہ کو اگر متعین نہ کیا گیا ہو تو یہ بھی ذات مبیع کے ابہام ہی کی طرح

ہے۔ (العزیز شرح الوجیز ۴: ۴۱)

رافعی کہتے ہیں کہ مبیع کبھی تو غیر متعین طور پر فرد کے ذمے میں ہوتی ہے اور کبھی متعین ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی مثال بیع سلم ہے، جب کہ دوسری قسم کی مثال عام خرید وفروخت ہے۔ ثمن و قیمت بھی بعض اوقات دونوں صورتوں میں ذمے کا حصہ ہوتی ہے، اگرچہ بیع سلم کی صورت میں مجلس معاہدہ میں قیمت کی سپردگی ضروری ہوتی ہے اور بعض اوقات قیمت معین شکل میں ہوتی ہے۔ وہ مبیع وثمن جو ذمے میں ہوں، ان کا مقدار کے لحاظ سے متعین ومعلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے خریدار سے کہا کہ یہ کمرہ بھر گندم میں نے آپ کو فروخت کی، یا یہ کہ اتنے وزن سونے کے بدلے میں آپ کو ایک چیز فروخت کی تو یہ بیع درست نہیں ہوگی، (پہلی مثال میں ثمن غیر متعین ہے، جبکہ دوسری مثال میں مبیع غیر متعین ہے)۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: ''میں نے تمھیں یہ چیز اتنے میں فروخت کی، جتنے میں فلاں نے اپنا گھوڑا یا کپڑا فروخت کیا''، اور دونوں کو یا کسی ایک کو اس قیمت کا علم نہیں جس پر گھوڑا یا کپڑا فروخت ہوا تو بیع درست نہیں، کیوں کہ اس میں غرر (ابہام اور غیر یقینیت) ہے۔ (العزیز شرح الوجیز ۴: ۴۵-۴۶)

مبیع کا معائنہ

مبیع کی صفات معلوم کرنے کے لیے کیا اس کا معائنہ ضروری ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام مزنی کا رجحان اسی جانب ہے (کہ مبیع کی ضروری صفات معلوم کرنے کے لیے معائنہ شرط ہے)۔ ان کے نزدیک جس چیز کو فریق معاہدہ نے نہ دیکھا ہو، اس کا سودا ناجائز ہے اور شاید یہ زیادہ درست قول ہے۔ (غائب چیز کے) ہبہ کرنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ زیادہ درست یہ ہے کہ وہ جائز ہے، (خواہ اسے موہوب لہ نے نہ دیکھا ہو)۔ اندھے شخص کی خرید کو بھی انہی اقوال کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ نابینا شخص کی طرف سے سلم کا معاہدہ بھی درست ہے، کیونکہ سلم میں مبیع کی صفت پر انحصار کیا جاتا ہے، (معائنے پر نہیں)۔

(العزیز شرح الوجیز، ۴:۵۱)

غائب اشیاء کی بیع

شافعی نقطۂ نظر

امام رافعی فرماتے ہیں کہ غائب اشیاء یا ایسی موجود اشیاء جن کا معائنہ نہ کیا گیا ہو، ان کی بیع کی درستگی کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ صحیح ہے، جیسا کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے ہے۔ ان کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: ''جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جسے اس نے نہ دیکھا ہو تو دیکھنے پر اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے''۔ یہ طے شدہ چیز ہے کہ حق فسخ وقبول شرعاً سودوں میں ہی ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے اور ایسے معاہدوں میں محلِ معاہدہ کو دیکھنا جواز کی شرط نہیں جیسے عقد نکاح۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاہدہ صحیح نہیں۔ امام مزنی نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ اس کی توجیہ انہوں نے یوں کی ہے کہ یہ بیع غرر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر کے سودوں سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مبیع کی کیفیت وصفت مشتری کو سودا طے کرتے وقت معلوم نہ تھی۔

(العزیز شرح الوجیز ۴: ۵۱)

حنبلی نقطۂ نظر

معاہدے کی درستگی کے لیے بائع ومشتری دونوں کا مبیع کو دیکھنا ضروری ہے، تاہم نہ دیکھنے کی صورت میں بھی بیع جائز ہے، بشرطیکہ بعد میں بائع کو وہ چیز دیکھنے پر اختیار فسخ وقبول حاصل ہو۔ اور اگر مشتری نے مبیع نہ دیکھا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیارِ فسخ حاصل ہوگا۔ امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے، البتہ حدیث عمار وطلحہ کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ (المغنی ۶: ۳۳)

اگر بائع نے مشتری کے سامنے مبیع کی ایسی صفات بیان کر دیں جو بیع سلم کی درستگی کے لیے کافی سمجھی جاتی ہیں، تو ظاہر مذہب کے مطابق اس کی بیع درست ہوگی۔ اکثر اہل علم کی رائے بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ سے روایت ہے کہ مبیع کو دیکھے بغیر سودا درست نہیں، کیوں کہ زبانی صفت بیان کرنے سے مبیع کی خصوصیات کا مکمل احاطہ نہیں ہوتا، لہٰذا زبانی صفت بیان کرنے سے اسی

طرح بیع درست نہیں ہوگی جیسا کہ بیع سلم میں۔ بعض غیر موجود چیزوں کی بیع اس بناء پر صحیح نہیں ہوتی کہ جامع اور درست طریقے سے ان کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ (امام احمدؒ کے جواب میں) ہمارا کہنا ہے کہ عام بیع وصف کے ذریعے ہوتی ہے، لہٰذا سلم کی طرح جائز ہے۔ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ وصف کے ذریعے مبیع (کی خصوصیات) کا احاطہ ممکن نہیں، کیونکہ مبیع کی مکمل پہچان ان ظاہری صفات سے ہو جاتی ہے جو قیمت پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور یہ اس کی درستگی کے لیے کافی ہے جیسا کہ سلم کے لیے یہ کافی ہے۔ مزید براں خود معائنہ میں بھی ظاہری صفات ہی کا خیال رکھا جاتا ہے، مبیع کی غیر مرئی یا مخفی صفات سے واقفیت ضروری نہیں۔ اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس (مبیع) میں سلم درست نہیں، اس کی عام بیع بھی بذریعہ وصف درست نہیں، کیونکہ اس کی تحدید و تعیین ممکن نہیں۔ اب جب کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر مشتری نے مبیع کو بیان کردہ کیفیت کے مطابق پایا تو اسے فسخ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہی بات محمد بن سیرین، ایوب، امام مالک، عنبری، اسحاق ابن راہویہ، ابو ثور اور ابن المنذر نے کہی ہے۔ امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور باقی احناف کہتے ہیں کہ اسے ہر حال میں اختیار ہوگا، کیوں کہ اس کا نام ہی ''خیار رویت'' پر مبنی سودا ہے۔ (المغنی ٦:٣٣-٣٤)

ساتویں شرط: مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا

(مبیع کی ایک شرط یہ ہے کہ) وہ بائع کی ملکیت ہو، کیوں کہ بیع دراصل دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے، لہٰذا بیع کسی ایسی چیز میں ثابت نہ ہوگی جو بائع کی ملکیت نہ ہو۔ اسی بناء پر کسی شخص کا اپنی مملوکہ زمین کی گھاس یا نہر یا کنویں کا پانی فروخت کرنا درست نہیں، کیوں کہ گھاس اگرچہ اس کی مملوکہ اراضی میں ہے، لیکن وہ سب کے لیے مباح ہے۔ اسی طرح پانی کا بھی یہی حکم ہے جب تک کہ اسے کسی جگہ اکٹھا اور جمع نہ کر دیا جائے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے: الناس شرکاء فی ثلاث (لوگ تین چیزوں کی ملکیت میں شریک ہیں) جن میں گھاس اور پانی شامل ہیں۔ لوگوں کی (ان چیزوں میں) شرکت سے مراد سب کے لیے ان کا مباح ہونا ہے، خواہ وہ گھاس بلا مشقت بارش کے پانی سے یا خود پانی دینے سے اُگی ہو، اور اس میں مشقت اٹھانا پڑی ہو، کیوں

کہ پانی دینا پانی جمع کرنے سے مختلف چیز ہے، لہٰذا وہ گھاس سب کے لیے مباح رہے گی، کیونکہ اس میں (صاحب زمین کی) خصوصی ملکیت کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۶)

اس اصول کو مکہ مکرمہ کی زمین کی فروخت اور اس کے اجارے پر بھی لاگو کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی فروخت اور اجارہ ناجائز ہیں۔ ان کا ایک قول جواز کا بھی ہے۔ یہی مسلک (مسلکِ جواز) امام شافعی کا ہے۔ موخرالذکر قول کی دلیل بیع کی عمومی نصوص ہیں جن میں حرم اور غیرحرم کا کوئی فرق نہیں کیا گیا، چنانچہ تمام زمین اپنی اصل کے اعتبار سے قابل ملکیت ہے، ماسوائے ان زمینوں کے جن کی ملکیت پر کوئی عارضی قدغن عائد کی گئی ہو، جیسے وقف کی زمین، یا مسجد ہے۔ حرم کے حوالے سے چونکہ اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لہٰذا حرم کی زمینوں کی فروخت جائز ہے۔ ہماری دلیل (عدم جواز کی دلیل) ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تخلیق سے حرم مکہ کی زمین کو حرام کر دیا۔ وہ مجھ سے قبل نہ کسی کے لیے حلال ہوئی اور نہ میرے بعد ہوگی۔ وہ میرے لیے دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوئی تھی۔ نہ تو اس کا سبزہ اور درخت کاٹے جائیں، نہ اس کا شکار بھگایا جائے''۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے: ''مکہ مکرمہ حرام (مقدس) ہے اور اس کی اراضی کو بیچنا حرام ہے''۔ یہ روایت اس باب میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کو شرف اور فضیلت بخشی ہے، اسے امن کی جگہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امن بنایا ہے''، چنانچہ اس کی اراضی کی خرید وفروخت اور مالک بننے اور بنانے کی غرض سے اسے تصرف میں لانا اس کی اہانت وتحقیر کرنا ہے، لہٰذا باقی زمینوں کے برعکس حرم مکہ کی زمینوں کی فروخت ناجائز ہے۔ اس کے جواز کے لیے بیع کی عمومی نصوص کا سہارا نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ حدیثِ مشہور نے ان کے عموم کی تخصیص کر دی ہے، تاہم مکہ مکرمہ کی عمارتوں کو فروخت کرنا جائز ہے، کیوں کہ حرم خالی زمین کا نام ہے۔ عمارت کا نام نہیں۔ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایام حج میں مکہ مکرمہ کے مکانات کو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کو کرائے پر دینے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ رہے مقیم اور مضافات مکہ میں رہنے والے لوگ تو انہیں مکان کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۶)

فصل دوم: صیغۂ ایجاب وقبول کی شرائط

الفاظِ ایجاب وقبول

بیع ایک پسندیدہ چیز کا دوسری پسندیدہ چیز کے ساتھ تبادلے کا نام ہے۔ یہ تبادلہ کبھی الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی فعل کے ذریعے۔ مبادلے کے الفاظ کو فقہاء کے عرف میں ایجاب وقبول کہا جاتا ہے۔

ایجاب وقبول کے الفاظ کبھی ماضی کے صیغے میں ادا کیے جاتے ہیں اور کبھی صیغۂ حال میں۔ صیغۂ ماضی کی صورت یہ ہے کہ بائع یہ کہے کہ ''میں نے یہ چیز بیچی'' اور خریدار کہے کہ ''میں نے یہ چیز خریدی''۔ اس سے بیع کا ایک رکن مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ صیغہ گو کہ اپنی وضع میں ماضی کا ہے، لیکن چونکہ اہل لغت وشریعت کے عرف میں اسے حال کے مفہوم میں لیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے مراد صیغۂ حال لیا جائے گا۔ صیغۂ حال یہ ہے کہ بائع ایجاب (پیشکش) کی نیت سے خریدار کو کہے: ''میں تمہیں یہ چیز اتنے میں بیچتا ہوں''۔ خریدار اس کے جواب میں کہے: ''میں نے خریدی''، یا خریدار ایجاب کی غرض سے یہ کہے کہ ''میں تم سے یہ چیز اتنے میں خریدتا ہوں''۔ اس کے جواب میں بائع یہ کہے: ''میں تمہیں یہ چیز اتنے میں بیچتا ہوں'' اور خریدار بھی یہ کہے: ''میں تم سے خریدتا ہوں'' جبکہ دونوں کی نیت ایجاب کی ہو۔ اس سے رکن بیع مکمل ہو جاتا ہے اور بیع منعقد ہو جاتی ہے۔

معاہدۂ بیع تمام فقہاء کے نزدیک صیغۂ استفہام سے منعقد نہیں ہوتا، مثلاً خریدار بائع سے کہے: ''کیا تم مجھے یہ چیز اتنے میں بیچتے ہو''؟ یا ''کیا تم نے اتنے میں یہ چیز مجھے بیچی''؟ اور بائع جواب دے: ''میں نے بیچی''۔ اس سے بیع اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی، جب تک کہ خریدار جواباً یہ نہ کہے: ''میں نے خریدی''۔

کیا بیع کسی اور صیغے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے؟ مثلاً خریدار بائع سے کہے: ''اپنا یہ غلام اتنے میں مجھے بیچ دو'' تو بائع یہ جواب دے: ''میں نے بیچ دیا''۔ ہمارے فقہاء —اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے— فرماتے ہیں کہ یہ بیع اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک کہ خریدار یہ نہ

کہے کہ ''میں نے خریدا''۔ اس کے برعکس امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ (امر کے صیغے سے بھی) بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۳)

بیع تعاطی یا فعل مبادلہ کے ذریعے خرید و فروخت

حنفی نقطۂ نظر

لینے اور دینے کے فعل کے ذریعے ہونے والے مبادلے کو بیع تعاطی کہا جاتا ہے۔ اسے بیع المراوضۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح خرید و فروخت ہمارے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تعاطی کے ذریعے خرید و فروخت جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں بیع، ایجاب و قبول کا نام ہے، جبکہ تعاطی یا مبادلہ کے ذریعے صرف کم قیمت اشیاء کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے۔ مبادلے کے ذریعے قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۴)

شافعی نقطۂ نظر

بیع ایجاب و قبول ہی سے منعقد ہوتی ہے۔ لینے اور دینے کے فعل (تعاطی) کے ذریعے نہیں، کیونکہ تعاطی پر بیع کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ایجاب یہ ہے کہ بائع یہ کہے: ''میں نے تمہیں بیچا'' یا ''میں نے تمہیں اس کا مالک بنایا'' یا اس سے ملتی جلتی کوئی عبارت کہے۔ قبول یہ ہے کہ خریدار یہ کہے: ''میں نے قبول کی'' یا ''میں نے خریدی'' یا اسی سے ملتی جلتی کوئی عبارت کہے۔ اگر خریدار کہے: ''مجھے بیچو''، اور بائع کہے: ''میں نے تمہیں بیچی'' تو بیع واقع ہو جائے گی، کیونکہ اسی میں ایجاب و قبول موجود ہے۔ (المجموع ۹: ۱۶۲)

حنبلی نقطۂ نظر

(بیع تعاطی جائز ہے)۔ ہمارے نزدیک اس بیع کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، چنانچہ جس طرح دوسرے معاملات، مثلاً ''قبض''، ''احراز'' اور ''تفرق'' کے سلسلے میں عرف کی طرف رجوع کیا گیا ہے، اسی طرح اس بیع (بیع تعاطی) کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے بھی عرف کی طرف رجوع کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ عرف کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے بازاروں میں اس طرح سے بیع کا

معاملہ کرتے ہیں، اور بیع کا یہ طریقہ ان کے درمیان معلوم ومشہور ہے، البتہ بیع کی اس قسم پر شریعت کے بعض احکام کا دارومدار ہے اورانہیں شریعت نے اپنی جگہ پر برقرار بھی رکھا ہے، لہٰذا اپنی رائے سے اس قسم میں تغیر وتبدیلی کرنا جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے درمیان اس بیع کے رواج کے باوجود اس میں ایجاب وقبول کا استعمال ثابت اور منقول نہیں۔ اگر وہ اس بیع میں ایجاب وقبول کرتے تو یہ بات ضرور مشہور ہوجاتی، نیز اگر ایجاب وقبول کے الفاظ کی ادائیگی بیع کے اندر شرط کا درجہ رکھتی تو اس صورت میں اس حکم کو آگے دوسروں تک پہنچانا واجب ہوجاتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ سے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ جو بات آگے پہنچانا واجب ہو، اسے پہنچانے میں وہ سستی اور غفلت سے کام لیں۔

پھر یہ کہ بیع کا تعلق ان معاملات سے ہے جن سے لوگوں کا سابقہ کثرت سے پڑتا ہے، اگر بیع کے اندر ایجاب وقبول کے الفاظ کی ادائیگی شرط کی حیثیت رکھتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لازماً اسے بیان فرماتے اور اس کا حکم مخفی نہ رہتا، کیونکہ حکم کے مخفی ہونے کی صورت میں بہت سے معاملات فاسد ہوجاتے اور اس کے نتیجے میں باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کا دروازہ کھل جاتا۔ اس کے برعکس ہمارے علم کی حد تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ (المغنی ٦: ٨)

فصل سوم: فریقین معاہدہ (بائع ومشتری) سے متعلق شرائط

اہلیت تصرف

شافعی نقطۂ نظر

فریق معاہدہ کی، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری، شرط یہ ہے کہ اس میں بصیرت ورشد ہو۔ رشد کا مفہوم یہ ہے کہ فرد میں دینی ومالی معاملات کی سمجھ بوجھ موجود ہو اور اس کے تصرفات پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی ہو۔ اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اس طور پر بالغ ہوا کہ وہ اپنے دینی اور مالی معاملات کو درست طور پر چلانے کی صلاحیت رکھتا تھا، بعد میں وہ اسراف وتبذیر کا شکار ہوگیا، مگر اس کے باوجود اس پر پابندی نہ لگی ہو (ایسا شخص بھی مطلوبہ اہلیت معاہدہ رکھتا ہے)۔ تصرف اور معاہدے کا اہل وہ شخص بھی سمجھا جائے گا

جس کا بلوغ کے بعد کوئی ایسا مالی تصرف سامنے نہیں آیا جس سے اس کی اہلیت وعدم اہلیت کا اندازہ کیا جا سکے۔ ایسے شخص کے تصرفات کو درست سمجھا جائے گا اور بالغ ہونے کے بعد، اگر وہ فاسق ہو گیا تو اس پر پابندی عائد نہیں ہوگی۔ (نهاية المحتاج ۳: ۳۸۵)

معاہدۂ خرید وفروخت ہر اس شخص کی طرف سے جائز ہے جو بالغ، عاقل اور صاحب اختیار ہو۔ بچے اور پاگل کی بیع درست نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمیوں پر سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، سوتے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے، اور پاگل سے یہاں تک کہ اس کی یہ ذہنی حالت درست ہو جائے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال میں تصرف کا معاملہ ہے جسے مال کی حفاظت کے معاملے کی طرح بچے اور پاگل کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ اسے مال کی حفاظت پر قیاس اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس پر اجماع ہے، نیز اس پر نص قرآنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پس اگر تم ان میں سمجھ بوجھ پاؤ تو ان کے مال انہیں سپرد کر دو'' (النساء ۴: ۶)۔

ناسمجھ اور فضول خرچ (سفیہ)، (جس پر ناسمجھی اور فضول خرچی کی بناء پر پابندی عائد کی گئی ہو) کی بیع بھی درست نہیں۔

پاگل کی بیع بالاتفاق درست نہیں۔ یہی حکم اس شخص کی بیع کا ہے جس پر غشی طاری ہو گئی ہو۔ نشے میں مدہوش شخص کے بارے میں شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی خرید وفروخت اور دوسرے سارے تصرفات درست ہیں، چاہے وہ نفع بخش ہوں یا ضرر رساں۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی تصرف درست نہیں۔ تیسرا یہ ہے کہ ذمہ داریوں کی حد تک اس کے تصرفات درست ہیں، حقوق میں نہیں۔ پس اس کی فروخت اور ہبہ درست ہیں، لیکن قبولِ ہبہ درست نہیں۔

بچے کی بیع وشراء، اجارہ اور دیگر معاہدات اپنے اور کسی دوسرے کے لیے درست نہیں ہیں، چاہے وہ نقصان کے ساتھ ہوں یا نفع کے ساتھ، اور چاہے بچہ سمجھ بوجھ والا ہو یا ناسمجھ، اور چاہے اس نے ولی کی اجازت سے چیز فروخت کی ہو، یا بغیر اجازت کے، اور چاہے وہ سودا بچے

کے امتحان وآزمائش کی غرض سے ہو یا اس مقصد کے بغیر ہو۔ آزمائش وتربیت کی غرض سے کی جانے والی بیع سے مراد وہ بیع ہے جس کے ذریعے سرپرست بچے کے قرب بلوغت کے وقت (مالی معاملات میں) اس کی سمجھ بوجھ کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے چیزیں وصول کرنے کا اختیار دے اور معاہدہ کرنے کے ضروری انتظامات سپرد کردے اور جب اصل معاہدہ کرنے کا وقت آئے تو معاہدہ سرپرست خود کرے۔

امام الحرمین اور بعض اہل خراسان کے نزدیک آزمائش وتربیت کی غرض سے کی جانے والی بیع جائز ہے، لیکن صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ باطل ہے، کیونکہ بیع کے درست ہونے کی صورت میں بچے پر فروخت شدہ سامان کو سپرد کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ حدیث کی رو سے بچے پر کوئی چیز واجب نہیں۔

فقہاء کہتے ہیں کہ اگر بچے نے کوئی چیز خریدی، بائع نے وہ چیز اسے سپرد کردی اور وہ چیز اس کے ہاتھ میں تلف ہوگئی، یا خود بچے نے اسے تلف کردیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں، نہ اس وقت اور نہ بالغ ہونے کے بعد۔ یہی حکم بچے کے قرض لینے کا ہے۔ (اس پر تاوان عائد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) بچے کو وہ چیز سپرد کرکے مالک نے خود اپنی چیز ضائع کی ہے۔ اگر وہ چیز ابھی تک موجود ہے تو مالک اسے واپس لینے کا حق رکھتا ہے، اور اگر بچے کے ولی نے وہ چیز لے لی ہے تو اب وہ چیز ولی کی ضمان میں داخل ہوگئی ہے، اور اگر بچے نے بائع کو اس کی قیمت ادا کی تو یہ ادائیگی درست نہ ہوگی، بائع وہ قیمت سرپرست کو لوٹا دے۔ سرپرست پر لازم ہے کہ وہ اسے واپس حاصل کرے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اس نے وہ قیمت بچے کو لوٹا دی تو اس سے بائع کی ذمہ داری ساقط نہ ہوگی۔ (المجموع ۹: ۱۵۵-۱۵۶ بحذف واختصار)

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ جس طرح ایک بچے کے قولی تصرفات درست نہیں، اسی طرح اس کے فعلی تصرفات بھی درست نہیں۔ پس اگر قرض خواہ نے مقروض سے کہا کہ میرا حق اس بچے کو سپرد کردو اور اس نے وہ رقم بچے کو دے دی تو اس سے مقروض کی ادائیگی قرض کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، بلکہ وہ قرض اس کے ذمے باقی رہے گا۔ اگر وہ رقم بچے سے ضائع ہوگئی تو یہ دینے والے کا نقصان متصور ہوگا، بچے پر اس کا کوئی تاوان نہ ہوگا، کیونکہ دینے والے نے بچے کو دے دی۔ اس طرح

اُس نے خود رقم ضائع کی ہے اور اس کے ذمے قرض باقی ہے۔

(المجموع ۹: ۱۵۷-۱۵۸ بحذف واختصار)

حنبلی نقطۂ نظر

(بیع کی) ایک شرط یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا خواہ بائع ہو یا مشتری، تصرف کی اہلیت رکھتا ہو، وہ آزاد، بالغ اور صاحب شعور ہو۔ چنانچہ بچے، پاگل، نشے میں مدہوش، نیند میں سوتے ہوئے، برسام میں مبتلا اور نادان شخص کی بیع درست نہیں، کیونکہ بیع ایک قول کی مانند ہے جس کے لیے رضا مندی اسی طرح شرط ہے جیسے یہ اقرار کے لیے ضروری ہوتی ہے، چنانچہ ناسمجھ اور بے شعور کی بیع درست نہیں۔ سمجھ دار بچے اور نادان شخص کی بیع ان کے ولی کی اجازت سے درست ہے، چاہے یہ بیع قیمتی اشیاء ہی کی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''یتیموں کو آزماؤ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اب اگر تم ان میں سمجھ بوجھ پاؤ تو ان کا مال ان کے سپرد کردو''، یعنی انہیں آزماؤ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ خرید وفروخت کا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ ولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ انہیں ایسے مالی تصرف کی اجازت دے جو غیر مفید ہو، کیونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔

سمجھ دار بچہ ((صبی ممیز) اور بے شعور بالغ شخص (سفیہ) ولی کی اجازت کے بغیر نہ ہبہ قبول کر سکتے ہیں اور نہ کوئی وصیت کر سکتے ہیں، تاہم بچہ معمولی اشیاء کی خرید وفروخت ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر بھی کرسکتا ہے، کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ ابوالدرداءؓ نے ایک بچے سے ایک بڑا چڑا خریدا اور اسے فضا میں چھوڑ دیا۔ اسی طرح غلام اور سفیہ بھی ولی کی اجازت کے بغیر معمولی اشیاء کی بیع وشراء کا معاملہ کرسکتے ہیں جیسے سبزی کی کوئی گٹھی یا دیا سلائی وغیرہ، کیونکہ ممانعت کی وجہ ضیاع مال تھا، اور معمولی قسم کی چیزوں کی فروخت میں اس طرح کا خدشہ نہیں ہوتا۔ سمجھ دار بچے کے ہاتھ جو تحفے تحائف بھیجے جاتے ہیں، انہیں قبول کرنا، نیز انہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے، کیونکہ عرف ان امور کو قبول کرتا ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع ۳: ۱۴۱-۱۴۲)

رشد کا مفہوم

رشد مالی معاملات میں سمجھ بوجھ کا نام ہے۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے جن میں مالک اور ابوحنیفہ شامل ہیں۔ حسن، شافعی اور ابن المنذر کا کہنا ہے کہ رشد، دین اور مال میں راستی کا نام ہے، کیونکہ فاسق رشد سے عاری ہوتا ہے، لوگ اس کے دینی بگاڑ کی بناء پر حفاظت مال کے سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کرتے، اس کی بات قبول نہیں کی جاتی، نیز کسی شخص کے امور کے ولی ہونے اور اس کے سرپرست بننے میں بھی فرد کا دینی بگاڑ مانع ہوتا ہے، چاہے ایسا شخص جھوٹ اور تبذیر (یعنی گناہ کے کاموں میں پیسہ برباد کرنے) کے لیے مشہور نہ ہو۔ اس کے برعکس ہمارے موقف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کا مال و جائیداد ان کے حوالے کردو''۔ (النساء ۴:۶)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں رشد سے مراد مالی معاملات کی سمجھ بوجھ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: ''یعنی جب وہ عقلمند ہو جائے''۔ چنانچہ جو شخص اپنے مالی معاملات کو درست طریقے سے چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے اندر رشد کی صفت موجود متصور ہوگی۔ مزید براں اگر عدالت یا عدم فسق بقائے رشد کے لیے ضروری نہیں تو ابتدائے رشد کے لیے بھی اسے شرط نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس موقف کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ''غیر رشید'' شخص کے تصرفات پر پابندی اس کے مال کی حفاظت کی غرض سے لگائی جاتی ہے (نہ کہ اس کے دین کے بگاڑ کی وجہ سے)، اس کا مطلب یہ ہے کہ رشد اور عدم رشد کے تعین میں بنیادی چیز ضیاعِ مال یا حفظِ مال ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ فاسق ''غیر رشید'' (سمجھ بوجھ اور راستی سے عاری شخص) ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ دینی معاملات میں ضرور ''غیر رشید'' ہے، تاہم مالی معاملات چلانے اور ان کی دیکھ بھال کے حوالے سے وہ ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان ہے۔ ان (اختلاف کرنے والوں) کے موقف کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ کافر جوان کے موقف کی رو سے غیر رشید ہے، مگر محض کفر کی وجہ سے وہ مالی معاملات کے لیے نااہل نہیں قرار دیا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان مال سپرد کیے جانے کے بعد فاسق ہو جاتا ہے تو اس کا رشد زائل

نہیں ہوتا اور اس کے مالی تصرفات پر پابندی عائد نہیں ہوتی۔ اگر عدالت یا عدم فسق رشد کی شرط ہوتی تو فسق طاری ہونے پر رشد کو زائل ہو جانا چاہیے (اور اس کے نتیجے میں ایسے شخص کے تصرفات پر پابندی عائد ہو جانا چاہیے)۔ کسی شخص کے قول کے نامقبول ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے مال سپرد نہ کیا جائے۔

چنانچہ ایک ایسا شخص جو کثرت سے نسیان اور بھول چوک کا شکار ہو، یا بازاروں میں چلتے پھرتے کھاتا پیتا ہو، یا مجلسوں میں ٹانگیں پھیلا کے بیٹھتا ہو، ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، تاہم اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ فاسق شخص اگر گناہ کے کاموں، جیسے شراب، یا آلات لہو ولعب کی خرید میں پیسہ خرچ کرے گا، یا دولت کے ذریعے بگاڑ کا راستہ اختیار کرے گا تو وہ غیر رشید تصور ہوگا، کیونکہ وہ اپنے مال کو ناجائز طریقے سے خرچ کر رہا ہے اور اسے بلا مقصد ضائع کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس کا فسق اور بگاڑ کسی اور نوعیت کا ہے، جیسے وہ جھوٹ بولتا ہے، یا زکوۃ ادا نہیں کرتا، یا نمازوں کا خیال نہیں رکھتا تو اس کا مال اس کے سپرد کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کے اندر مال کی حفاظت کی صلاحیت موجود ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حجر یا تصرفات پر پابندی کا مقصود حفظِ مال ہے۔ ایسے شخص کا مال پابندی عائد کیے بغیر بھی محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو مال کی حفاظت کرنا جانتا ہو، مال سپرد کیے جانے کے بعد فاسق ہو جائے تو اس سے وہ مال واپس نہیں لیا جائے گا۔ کسی شخص کے رشد اور سمجھ بوجھ کا اندازہ اسے امتحان اور آزمائش میں ڈال کر کیا جائے گا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''اور یتیم بچوں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں'' (النساء ۴: ۶)۔ یتیم کی آزمائش اسے ایسے کاموں کی سپردگی سے ہوسکتی ہے جو اس جیسے افراد کرتے ہیں۔ اگر وہ تاجروں کی اولاد میں سے ہے تو اسے خرید وفروخت کا کام سپرد کیا جائے۔ اگر بہت سے سودے کرنے کے بعد یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ نقصان کا سودا نہیں کرتا اور جو مال اسے سپرد کیا گیا ہے، اسے ضائع نہیں کرتا تو وہ ''رشید'' متصور ہوگا۔ (المغنی ۶: ۶۰۷-۶۰۸)

حنفی نقطۂ نظر

بائع اور مشتری سے تعلق رکھنے والی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، لہٰذا کسی دیوانے اور ناسمجھ بچے کی بیع منعقد نہیں ہوگی، کیوں کہ صاحبِ معاملہ کی اہلیت، صحت معاملہ کی شرط ہے اور اہلیت بغیر عقل کے ثابت نہیں ہوتی۔ بلوغت ہمارے نزدیک بیع کے انعقاد کی شرط نہیں۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی سمجھ دار بچہ اپنا مال فروخت کرتا ہے تو یہ بیع منعقد ہو جاتی ہے، تاہم یہ معاہدہ ولی (سرپرست)، یا بالغ ہونے کے بعد خود صاحبِ معاملہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک بلوغت بیع منعقد ہونے کی شرط ہے، اس لیے بچے کی بیع وشراء ان کے نقطۂ نظر کے مطابق سرے سے منعقد نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک بلوغت نفاذ معاہدہ کی شرط بھی نہیں۔ اگر بچہ کسی کی طرف سے بیع وشراء کا وکیل بنا تو وہ معاہدہ نافذ العمل ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۵)

فضولی کی بیع

جس شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کی تو مالک کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو بیع کی توثیق کردے اور چاہے تو فسخ کردے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی بیع واقع نہیں ہوتی، کیونکہ وہ کسی قانونی اختیار کے بغیر ہوئی ہے، اور (کسی چیز میں تصرف کا) قانونی اختیار (انسان کو) اپنی ملکیت، یا مالک کی طرف سے اجازت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں، لہٰذا قانونی اختیار کے فقدان کی بنا پر یہ بیع منعقد نہیں ہوئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا تصرف ہے جس کا مقصد دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے۔ یہ تصرف ایک ایسے شخص سے صادر ہوا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے، یعنی عاقل و بالغ ہے۔ پھر یہ تصرف ایک ایسی چیز میں واقع ہوا ہے جو مبیع بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس بیع کو منعقد قرار نہ دیا جائے۔ مزید براں ایسی بیع میں مالک (جس کی چیز فضولی نے فروخت کی ہے) کا کوئی نقصان بھی نہیں، خاص طور پر جب کہ اسے بیع کی توثیق یا فسخ کا حق بھی حاصل ہے، بلکہ اس بیع میں مالک کا فائدہ ہے کہ وہ گاہک تلاش کرنے اور قیمت مقرر کرنے کی

مشقت سے بچ گیا، نیز اس میں معاہدہ کرنے والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کی بات لغو ومہمل ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح خریدار کا بھی اس میں فائدہ ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر اس کا قانونی اختیار ثابت ہوجاتا ہے۔ مالک کی اجازت ضمناً اسے حاصل ہے کہ عام طور پر عقلمند شخص نفع بخش تصرف کی اجازت دے ہی دیتا ہے۔

مالک اجازت دینے کا حق رکھتا ہے، جب کہ معقود علیہ (جس چیز پر معاہدہ ہوا ہے) باقی ہو اور فریقینِ معاہدہ کی اہلیتِ معاہدہ برقرار ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (معاہدے کی) توثیق (یا اجازت) ایک تصرف ہے جو فریقین کی اہلیتِ معاہدہ کی موجودگی اور معقود علیہ کے باقی رہنے سے ہی درست ہوگا۔

جب مالک نے اجازت دے دی تو مبیع کی قیمت، مالک کی طرف سے فضولی کے پاس امانت تصور ہوگی۔ اس کی حیثیت کسی شخص کے وکیل کے پاس مبیع کی قیمت کی طرح ہے کہ وہ وکیل کے پاس اصل مالک کی امانت ہوتی ہے۔ فضولی کے اس تصرف (فروخت) کی (مالک کی طرف سے) بعد میں توثیق درحقیقت وکالت ہی کی طرح ہے۔

فضولی کو یہ حق حاصل ہے کہ بیع کے معاہدے کو مالک کی اجازت سے پہلے فسخ کردے تاکہ وہ معاہدے کے حقوق اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکے، البتہ نکاح کے فضولی کو اس کا حق حاصل نہیں، کیونکہ وہاں اس کی حیثیت محض سفیر ومبلغ کی ہے، اسے فریق معاہدہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ اگر وہ شوہر کی اجازت سے پہلے معاہدہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہ ہوگا۔

(مالک کی طرف سے) توثیقِ معاہدہ اسی صورت میں درست ہے جب قیمتِ مبیع دین (یعنی درہم ودینار) کی صورت میں ہو۔ اگر قیمت معین سامان (عروض) ہو تو توثیق اسی صورت میں درست ہوگی جب کہ وہ سامان باقی ہو۔ (الهداية ۳:۶۸-۶۹)

اگر اجازت دینے سے پہلے مالک کی موت واقع ہوگئی تو وارث کی توثیق سے بیع نافذ نہیں ہوگی، خواہ بیع ثمن ہو یا سامان، کیونکہ بیع مذکور مورث کی ذاتی منظوری پر موقوف تھی۔ وہ کسی دوسرے شخص کی منظوری سے صحیح نہیں ہوسکتی۔ اگر مالک نے اپنی زندگی میں منظوری دے دی، مگر اسے مبیع کی حالت کا علم نہ تھا (کہ باقی ہے، یا تلف ہوچکی ہے) تو امام ابو یوسف کے پہلے قول کے

مطابق یہ بیع درست ہوگی۔ یہی امام محمد کی رائے ہے، کیونکہ چیز کی موجودگی اصل حالت ہے (تلف ہونا استثنائی امر ہے)۔ بعد میں امام ابو یوسف نے اپنی رائے سے رجوع کیا اور فرمایا کہ بیع اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ منظوری دینے کے وقت مبیع قائم وموجود ہے، کیونکہ عدم علم کی صورت میں منظوری کی شرط مشکوک ہوگی تو شک کے ہوتے ہوئے منظوری درست نہیں ہوگی۔ (الهداية ٣: ٦٩)

جبر کے تحت خرید وفروخت

جس شخص کو کسی سودے پر ناحق مجبور کیا گیا ہو، اس کی بیع وشراء درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ وہ تجارت ہو جو باہمی رضا مندی سے ہو'' (النساء ۴: ۲۹)۔

یہ (آیت) اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ اگر رضا مندی نہ ہو تو (ایک دوسرے کا) مال کھانا جائز نہیں۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''سودا باہمی رضا مندی سے ہی ہوتا ہے''۔ اس سے ثابت ہوا کہ رضا مندی کے بغیر بیع نہیں، نیز یہ اس لیے بھی درست نہیں کہ یہ ایک ایسا قول ہے جس پر وہ شخص ناحق مجبور کیا گیا ہے۔ جس طرح جبر کے تحت مسلمان سے کہلوایا گیا کلمۂ کفر درست نہیں، اسی طرح بیع بھی (جبر کے تحت) درست نہیں۔ (المجموع ۹: ۱۵۸)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس شخص پر ناحق جبر کیا گیا ہو، اس کی بیع درست نہیں۔ یہ ہمارا مسلک ہے اور یہی مالکؒ، احمدؒ اور جمہور کی رائے ہے۔ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ معاہدہ صحیح ہے اور جبر ختم ہونے کے بعد آزادانہ مرضی کی حالت میں اس شخص کی منظوری پر موقوف ہے۔ ہمارے اصحاب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کی غلطی، بھول چوک اور جبر کے تحت کیے گئے عمل کو معاف کر دیا ہے''۔ اس سلسلے میں ہمارے بعض اصحاب نے بعض ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی بیع، غیر

یقینیت (غرر) کے سودوں اور پھلوں کے گدرانے سے پہلے ان کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایسا وقت آئے گا جب ظلم وستم بڑھ جائے گا، مال دار شخص اپنے مال کو دانت سے پکڑے گا، حالانکہ اسے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تنسوا الفضل بینکم (یعنی آپس میں اچھا برتاؤ کرنا، بھول نہ جانا)، اور مجبور لوگوں سے خرید وفروخت کی جائے گی، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور شخص کی بیع، غیر یقینی امور پر مشتمل سودے اور گدرانے سے پہلے پھل کی فروخت سے منع کیا ہے۔ (المجموع ۹: ۱۵۹)

باب چہارم

معاہدے میں جائز اور ناجائز شرطیں

ناجائز شرطیں

حنفی نقطۂ نظر

بیع کے صحیح ہونے کی (شرائط میں سے) ایک شرط یہ ہے کہ وہ فاسد شرائط سے خالی ہو۔

اس کی متعدد انواع ہیں:

۱۔ کوئی ایسی شرط جس کا وجود اور حصول غیر یقینی اور مبہم ہو، مثال کے طور پر ایک شخص کوئی اونٹنی اس شرط پر خریدے کہ وہ حاملہ ہے۔ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ امر مشروط میں وجود و عدم دونوں کا احتمال موجود ہے اور فی الحال بیع کو اس پر موقوف کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ پیٹ کا بڑھا ہوا ہونا اور اس میں حرکت ہونا کسی بیماری کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، (یعنی یہ حمل کی لازمی نشانی نہیں ہے)، لہٰذا یہ ایک غیر یقینی امر ہے جو موجب فساد بیع ہے۔ اس سلسلے میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر (غیر یقینیت) والی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اس شے سے روکا گیا ہے یا اس کی بیع فاسد ہوتی ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ ایسی شرط جائز ہے، کیونکہ حاملہ ہونے کی شرط ایسی ہی شرط ہے جیسے غلام کے مکاتب ہونے یا درزی ہونے کی شرط، جس طرح ایسی شرط درست ہے، تو حاملہ ہونے کی شرط بھی درست ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۶۸)

۲۔ کوئی ایسی شرط جو معاہدے کے مقصد اور غرض و غایت کے منافی ہو اور اس سے بائع یا مشتری یا مبیع کو کوئی اضافی فائدہ پہنچتا ہو، اگر اس (مؤخر الذکر) کا تعلق بنی نوع انسان سے ہو، نیز وہ شرط معاہدے سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اور نہ لوگوں کے عرف و تعامل کے موافق ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے اس شرط پر اپنا مکان فروخت کیا کہ بائع خود اس میں ایک ماہ تک رہے گا، اس مدت کے بعد وہ اسے خریدار کو سپرد کرے گا، یا کوئی زمین اس شرط پر فروخت کرے کہ بیچنے والا خود ایک

سال تک اس زمین کو کاشت کرے گا، یا کوئی سواری اس شرط پر فروخت کی کہ ایک ماہ تک خود بائع اس سواری کو استعمال کرے گا، یا کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع ایک ہفتہ تک اسے خود پہنے گا، یا کوئی چیز اس شرط پر بیچے کہ خریدار اسے (بائع کو) کچھ رقم قرض دے، یا اس کو کوئی چیز ہبہ کرے یا اس سے اپنی بیٹی بیاہ دے، یا اس سے فلاں چیز خریدے، یا کسی شخص نے کوئی کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اسے قمیص سی کر دے گا، گندم اس شرط پر خریدی کہ بائع اس کا آٹا پیس کر دے گا۔

ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، کیونکہ بیع میں (ایک فریق کے لیے) کوئی مشروط منفعت ربا کی مانند ہوتی ہے۔ اس کے ربا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اضافہ ہے جو عوض سے خالی ہے، اور یہی ربا ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۶۹)

جہاں تک ایسی شرط کا تعلق ہے جس کا معاہدہ متقاضی ہو تو اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ مبیع کا مالک بن جائے گا، یا کوئی چیز اس شرط پر بیچی کہ وہ قیمت کا مالک بن جائے گا، یا اس نے اس شرط پر کوئی چیز خریدی کہ بائع فروخت شدہ سامان اس کے سپرد کر دے گا، یا لونڈی اس شرط پر خریدی کہ وہ اس کی (خریدار کی) خدمت کرے گی، یا سواری کا جانور اس شرط پر خریدا کہ وہ (خریدار) اس پر سواری کرے گا، یا کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ اسے پہنے گا، یا خوشے میں گندم خریدی اور بائع کو اس کی کٹائی کا ذمہ دار ٹھہرایا تو بیع ان تمام صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ مذکورہ امور شرط کا ذکر کیے بغیر بھی بیع کے تقاضوں میں سے ہیں۔ ان امور کا بطور شرط ذکر کرنا گویا معاہدے کے تقاضوں کو مستحکم کرنا ہے، چنانچہ ان کے ذکر سے بیع میں فساد واقع نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۷۱)

۳- شرط اگر ایسی ہو کہ اس سے کسی کو بھی فائدہ نہ پہنچتا ہو، تو ایسی شرط باطل ہے اور بیع درست ہو گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سواری کا جانور یا کپڑا اس شرط پر خریدے کہ وہ (اس کا مالک) اسے آگے فروخت نہیں کرے گا۔ شرط کے باطل ہونے اور بیع کے برقرار رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شرط کا پابند نہیں ہے، کیونکہ اس کا فائدہ کسی کو نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک لغو اور بے معنی شرط ہے، لہٰذا بیع (ایسی شرط کے باوجود) برقرار رہے گی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع باطل ہوگی۔

ان کے نزدیک اس شرط سے خریدار کو نقصان پہنچتا ہے، کیونکہ اس سے اسے اپنی ملک میں تصرف کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ایسی شرط جس میں ضرر ہو، ایسی شرط کی مانند ہے جس میں ایک فریق کا فائدہ ہو، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں قابل لحاظ عین شرط نہیں، بلکہ اس کا مطالبہ ہے اور مطالبے کا تعلق منفعت سے ہے نہ کہ ضرر سے۔ (المبسوط ۱۳: ۱۵)

شرائط کے سلسلے میں احناف کا قاعدہ کلیہ

اس (معاہدے میں شرائط کے) سلسلے میں حنفی مذہب کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرے، جیسے خریدار کی ملکیت کی شرط لگانا، تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ (حق ملکیت) شرط کے بغیر بھی (خریدار کے لیے) ثابت ہے، اور ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، نیز اس میں کسی ایک فریق کا فائدہ مضمر ہے، یا محل عقد کی کوئی منفعت اس سے وابستہ ہے، جبکہ محل عقد منفعت کا حقدار ہے تو ایسی شرط سے بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غلام فروخت کرتے ہوئے بائع یہ شرط لگا دے کہ مشتری اس غلام کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کرے گا۔ مذکورہ شرط ایک ایسے اضافے پر مشتمل ہے جو عوض سے خالی ہے، (یعنی بائع ثمن کے علاوہ شرط کی صورت میں ایک اضافی فائدہ بھی حاصل کر رہا ہے جس کے بدلے میں وہ مشتری کو کچھ ادا نہیں کر رہا)۔ ایسی شرط اپنے اثرات کے اعتبار سے ربا کے مانند ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی شرط عام طور پر باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے جس کی بناء پر عقد اپنے اصل مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر شرط ایسا امر ہو جس کا لوگوں میں رواج ہو تو درست ہے، کیونکہ عرف قیاس کے مقابلے میں حجت کا درجہ رکھتا ہے، لیکن اگر شرط ایسی ہو کہ نہ تو عقد اس کا تقاضا کرتا ہے اور نہ فریقین معاہدہ میں سے کسی ایک کا اس میں خصوصی فائدہ ہو تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ (الھدایہ ۳:۴۸)

معاہدے کی شرطیں

حنبلی نقطۂ نظر

شرائط کی چار قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو تقاضائے عقد ہوتی ہے، جیسے بیع کو (مشتری کے) سپرد کرنے،

خیارِ مجلس اور فوری قبضے کی شرط۔ ایسی شرط کا وجود وعدم برابر ہے۔ اس پر نہ تو کوئی حکم مرتب ہوتا ہے اور نہ یہ عقد پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق عاقدین (فریقینِ معاہدہ) کے مفاد سے ہوتا ہے، جیسے مدت کی شرط (قیمت کی ادائیگی کے لیے مدت کا تعین)، خیار (حقِ فسخِ معاہدہ) کی شرط، راہن، ضامن یا موضوع معاہدہ مخصوص مطلوبہ صفات کا حامل ہو جیسے اس کا ہنرمند ہونا یا کاتب ہونا۔ ایسی شرائط جائز ہیں اور ان کی پابندی لازم ہے۔ ان دونوں اقسام کے جواز کے بارے میں ہمیں کسی اختلاف رائے کا علم نہیں۔

تیسری قسم وہ ہے جو نہ تو تقاضائے عقد ہے اور نہ وہ ایسا امر ہے جس سے معاہدے کو فائدہ پہنچتا ہے، تاہم وہ مقصودِ عقد کے منافی بھی نہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

اوّلاً: مبیع میں بائع کی منفعت کی شرط لگانا — اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

ثانیاً: معاہدے کے اندر ایک اور معاہدے کی شرط لگانا، جیسے بائع کسی کو کوئی چیز اس شرط پر بیچے کہ مشتری اسے اپنی کوئی چیز بیچے گا، یا اس سے کوئی چیز خریدے گا، یا کوئی چیز اجارے پر دے گا، یا اس کی شادی کرے گا، یا اسے ادھار دے گا۔ یہ شرط فاسد ہے جس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے خواہ یہ شرط بائع عائد کرے یا مشتری۔

چوتھی قسم ایسی شرط ہے جو تقاضائے بیع کے منافی ہو، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جو غالب و راجح حق کو ظاہر کرے، جیسے بائع غلام کو فروخت کرتے ہوئے مشتری پر غلام کی آزادی کی شرط عائد کرے۔ کیا ایسی شرط درست ہے؟ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ درست ہے، اور یہی امام مالک کا مسلک ہے۔ امام شافعی کا ترجیحی نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بریرہ کو خریدا تو اس کے گھر والوں نے ان پر اسے آزاد کرنے اور ولا کی شرط لگائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا کی شرط کو نامنظور کیا اور آزادی کی شرط کو باقی رکھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایسی شرط فاسد ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، کیونکہ شرط مقصودِ عقد کے منافی ہے۔ یہ اس شرط کے مشابہ ہے جس کی رو سے مشتری پر پابندی عائد کی جائے کہ وہ مبیع کو نہ بیچے۔ (المغنی، ۶: ۳۲۰)

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ کے نزدیک شرطیں تین قسم کی ہیں:

پہلی قسم ان شرطوں کی ہے جو خود بھی باطل ہیں اور ان سے بیع بھی باطل ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم ان شرطوں کی ہے جو خود بھی جائز ہیں اور ان کے ساتھ بیع بھی۔

تیسری قسم ایسی شرطوں کی ہے جو باطل قرار پاتی ہیں، تاہم بیع باقی رہتی ہے۔

امام مالک کے ہاں شرط کی ایک چوتھی قسم کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ وہ ایک ایسی شرط ہے کہ شرط عائد کرنے والا اگر اس پر اصرار کرے گا تو بیع باطل ہو جائے گی اور اگر اسے ترک کر دے تو بیع درست ہوگی۔ امام مالک کے مسلک میں ان اقسام کے درمیان واضح فرق کرنا ایک مشکل کام ہے، اگرچہ بہت سے فقہاء نے اس کی کوشش کی ہے۔ اس فرق کا تعلق بیع کو فاسد کرنے والے دو عناصر — ربا اور غرر — کے ان شرائط میں عمل دخل اور اس کی کیفیت ونوعیت سے ہے، کہ آیا عمل دخل بہت زیادہ ہے، یا اوسط درجے کا ہے، یا بہت ہی کم ہے۔ اگر بیع میں ان (ربا اور غرر) کا عمل دخل بطور شرط بہت زیادہ ہو تو یہ بیع اور شرط دونوں کو باطل کر دے گا، اور اگر کم ہو تو اس سے بیع اور شرط دونوں جائز قرار پائیں گے اور اگر یہ عمل دخل اوسط درجے کا ہو تو اس سے شرط تو باطل ہو جائے گی، لیکن بیع درست رہے گی۔

ان (امام مالک) کے اصحاب کی رائے میں ان کا موقف دیگر مسالک کے موقف کے مقابلے میں زیادہ درست ہے، کیونکہ اس میں تمام احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے، اور ان کے نزدیک جمع ترجیح سے بہتر ہے۔ مالکی مذہب کے فقہائے متاخرین نے اس سلسلے میں تفصیلات دی ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ان فقہاء میں میرے دادا، مازری اور باجی شامل ہیں۔ ان اصحاب نے فرمایا ہے کہ مبیع میں شرائط دو قسموں کی ہوتی ہیں:

پہلی قسم میں وہ شرائط داخل ہیں جنہیں بائع کسی چیز کے اپنی ملکیت سے نکل جانے کے بعد عائد کرے، مثال کے طور پر کوئی شخص لونڈی یا غلام بیچے اور شرط عائد کرے کہ جب بھی مشتری اسے آزاد کرے، تو اس کی ولاء (نسبت) بائع کے لیے ہوگی نہ کہ مشتری کے لیے۔ ایسی شرط کے

بارے میں ان فقہاء کا کہنا ہے کہ عقد تو درست ہے، لیکن حدیث بریرہؓ کی بناء پر شرط باطل قرار پا گئی۔

دوسری قسم میں ایسی شرائط شامل ہیں جنہیں بائع عرصۂ ملکیت کے دوران میں عائد کرے۔ ان کی تین اقسام ہیں:

اوّل: مبیع میں اپنی کسی منفعت کی شرط

دوم: مشتری کو مبیع میں کسی خاص یا عام تصرف سے باز رکھنے کی شرط

سوم: مبیع میں کسی تصرف کی شرط

آخر الذکر کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے وہ کوئی ایسا تصرف ہو، جس کا تعلق نیکی یا بھلائی کے کام سے ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا بھلائی کے کام سے تعلق نہ ہو۔

قسم اوّل: جہاں تک مبیع سے منفعت کی شرط کا تعلق ہے، اگر یہ معمولی نوعیت کی ہو، جس سے اصل مبیع میں تصرف کی ممانعت نہیں ہوتی، جیسے بائع گھر اس شرط پر بیچے کہ وہ خود اس میں تھوڑا سا عرصہ، مثلاً مہینہ یا سال رہے گا۔ ایسی شرط حدیث جابرؓ کی رو سے درست ہے۔

قسم دوم: جہاں تک ایسی شرط کا تعلق ہے جو مشتری کو مبیع میں عمومی یا خصوصی تصرف سے روکتی ہو، تو ایسی شرط جائز نہیں، کیوں کہ یہ بیع سے کچھ چیزوں کے استثنا کے باب سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بائع لونڈی فروخت کرے اور شرط یہ عائد کرے کہ مشتری اس سے ہم بستری نہیں کرے گا اور نہ اسے بیچے گا۔

قسم سوم: جہاں تک مبیع میں تصرف کی شرط کا تعلق ہے، اگر وہ کسی بھلائی کے امر پر مشتمل ہو، جیسے غلام کو آزاد کرنے کی شرط، تو ایسی شرط اسی صورت میں درست ہوگی جب اس پر جلد عمل درآمد کا مطالبہ کیا گیا ہو، لیکن اگر اس میں تاخیر ہو تو بہت زیادہ غرر و جہالت کی بناء پر شرط درست نہ ہو گی۔ امام مالک غلام کو جلد آزاد کرنے کی شرط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ درست نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع شرط سے منع کیا ہے۔ حدیث جابرؓ میں ان کے نزدیک اضطراب ہے۔ اس کی بعض روایات میں یوں آیا ہے: ''انہوں نے اسے بیچا اور مدینہ تک خود سوار ہونے کی شرط لگائی''۔ اور بعض میں یوں آیا ہے: ''مدینہ تک اس کی سواری (نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کو) عاریتاً دی‘‘۔ امام مالک کے نزدیک یہ معمولی غرر (جہالت) کا معاملہ ہے، چنانچہ انہوں نے کم مدت کی حد تک تو اس کی اجازت دے دی، لیکن زیادہ مدت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک یہ اصلاً ممنوع ہے۔

اس کے برعکس اگر شرط کا تعلق کسی بھلائی کے امر سے نہ ہو، جیسے اس شرط پر فروخت کہ مشتری اسے آگے فروخت نہیں کرے گا تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں۔ ان سے یہ بات بھی منسوب ہے کہ اس سے بیع فسخ ہو جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف شرط باطل ہوگی۔ اگر بائع نے مشتری سے کہا کہ جب بھی میں نے رقم لا دی تو تم مجھے مبیع واپس کر دو گے تو یہ امام مالک کے نزدیک درست نہیں، کیونکہ اس طرح یہ معاملہ دو معاملوں — بیع اور قرض — کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر وہ (مبیع کا پہلا مالک، یعنی بائع) رقم لے آتا ہے تو یہ معاملہ قرض ہوگا اور اگر نہیں لے کر آتا تو یہ معاملہ بیع ہوگا۔ (بدایۃ المجتھد ۲: ۱۲۱-۱۲۲)

شافعی نقطۂ نظر

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ شرائط کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جو مقتضائے عقد ہے، جیسے بائع نے کوئی چیز خیارِ مجلس، مبیع کی (مشتری کو) سپردگی، عیب کی صورت میں واپسی، یا مبیع کے ذمے ثابت شدہ کسی ذمہ داری اور حق کی صورت میں اس کی ادائیگی کی شرط، یا مشتری کے مبیع سے اپنی مرضی کے مطابق منتفع ہونے کی شرط کے ساتھ بیچی۔ ایسی شرائط بلا اختلاف بیع کو فاسد نہیں کرتیں۔ ایسی شرط مقصد معاہدہ کو بیان کرنے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

دوسری قسم: وہ ایسی شرط عائد کرے جس کا عقد عموماً تقاضا نہیں کرتا، تاہم اس میں ایک فریق کا مفاد ہوتا ہے جیسے تین دن کے اندر معاہدے کو فسخ کرنے، یا باقی رکھنے کا حق، یا مدت ادائیگی قیمت، رہن، ضامن اور گواہی جیسی شرائط، یا یہ شرط کہ فروخت کردہ غلام درزی یا کاتب ہو۔ ایسی شرط سے بھی بلا اختلاف معاہدہ باطل نہیں ہوتا۔ ایسی شرط کے ساتھ معاہدہ جائز ہے اور امر مشروط ثابت ہے۔

تیسری قسم: وہ ایسی شرط لگائے جس سے کوئی موجب نزاع غرض وابستہ نہ ہو، جو نزاع کا باعث بن سکتی ہو، جیسے یہ شرط کہ وہ کھانے میں صرف ہریسہ (کھانے کی ایک قسم) کھائے گا، یا صرف سوتی کپڑا پہنے گا۔ امام الحرمین کا کہنا ہے کہ اسی قبیل کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ قیمت پر گواہ ٹھہرانے کی شرط لگائے اور گواہ بھی متعین کر دے۔ ہم کہتے ہیں کہ گواہ متعین کرنے سے متعین نہ ہوں گے۔ ایسی شرط سے معاہدہ فاسد نہیں ہوتا، صرف شرط لغو ٹھہرتی ہے، باقی بیع درست رہتی ہے۔ یہی مفتیٰ بہ مذہب ہے۔ امام الحرمین، غزالی اور ان کے پیروکاروں نے اسی رائے کو قطعی قرار دیا ہے۔ متولی کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایسے غیر لازم امر کی شرط لگائے جیسے یہ شرط کہ وہ نماز پڑھے، یا نفلی روزے رکھے، یا فرض نماز اوّل وقت میں ادا کرے تو بیع باطل ہو جائے گی، کیونکہ وہ دوسرے کو ایسے امر کا پابند بنا رہا ہے جو اس پر لازم نہیں۔ رافعی کہتے ہیں کہ اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

چوتھی قسم: وہ کوئی غلام یا لونڈی اس شرط پر بیچے کہ مشتری اسے آزاد کر دے گا۔ اس مسئلے میں تین اقوال ہیں۔ درست اور مشہور قول جس کی امام شافعی نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے اور مصنف اور دیگر اصحاب (فقہائے شافعیہ) کی رائے میں بھی وہ حتمی ہے، یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اور شرط لازم ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔

پانچویں قسم: کوئی ایسی شرط عائد کرے جو تقاضا و مقصد عقد کے منافی ہو، جیسے اس شرط پر بیچنا کہ مشتری اسے (مبیع کو) آگے فروخت نہیں کرے گا، یا اس سے نفع نہیں اٹھائے گا، یا اسے آزاد نہیں کرے گا، یا اس کا قبضہ نہیں لے گا، یا اسے کرائے پر نہیں دے گا، یا اس سے ہم بستری نہیں کرے گا، یا اسے ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، یا یہ کہ بائع وہ چیز مشتری کو سپرد نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگائے کہ وہ (مشتری) بائع کو کوئی چیز بیچے، یا اس سے کوئی چیز خریدے، یا اسے (بائع کو) قرض دے، یا کوئی چیز کرائے پر دے، یا اگر وہ (بائع) کوئی چیز نقصان پر بیچے تو مشتری اس کے خسارے کو پورا کرے، یا یہ شرط کہ مشتری اگر مبیع بیچے تو صرف بائع ہی کو بیچے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطوں سے بیع باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ سب تقاضائے عقد کے خلاف ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ برابر ہے کہ وہ ایک شرط عائد کرے، یا دو شرطیں۔ (المجموع ۷: ۳۶۷-۳۶۸)

باب پنجم

ناجائز اور ممنوعہ بیوع

فصل اوّل: بیوعِ غرر (غیر یقینی امور پر مشتمل سودے)

غرر کا مفہوم

مالکی نقطۂ نظر

معاہدات بیع میں غرر کا مطلب ابہام اور لاعلمی ہے جس کا تعلق کئی امور سے ہوتا ہے۔ موضوع معاہدہ کے تعین سے متعلق لاعلمی، ثمن اور مبیع کے ضروری اوصاف سے لاعلمی، اس کی مقدار اور وقت ادائیگی، اگر ادائیگی اور سپردگی مؤخر ہو، کے بارے میں ابہام، مبیع کے وجود کے بارے میں ابہام، بائع کی اس چیز کو مشتری کے سپرد کرنے کی صلاحیت کے بارے میں ابہام، اس چیز کے باقی رہنے کے بارے میں ابہام۔ (بداية المجتهد ٢: ١١١)

حنبلی نقطۂ نظر

غرر وہ جہالت و ابہام ہے جس کے نتیجے میں بائع اپنے مبیع کی سپردگی پر قدرت نہ رکھتا ہو، خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم۔ (اِعلام الموقعين ١: ١٥٨)

غرر ایسا سودا ہے جس کا انجام نامعلوم ہو (کہ آیا سودے کی تکمیل ہوگی یا نہیں؟)۔ ایسا سودا جوئے کی ایک قسم ہے۔ اگر کسی شخص نے مفرور غلام یا بھاگے ہوئے گھوڑے کا سودا کیا تو گویا اس نے خطرے پر مشتمل بیع کی۔ اسی صورت میں احتمال ہے کہ مشتری مبیع کو اس کی حقیقی قیمت سے کم پر خریدے۔ ایسی خرید و فروخت کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر مشتری کو وہ غلام یا گھوڑا مل گیا تو بائع مشتری سے کہے گا کہ تو نے میرے ساتھ جوا کھیلا اور میرا سامان مجھ سے معمولی قیمت پر لے لیا،

اور اگر مشتری کو وہ نہیں ملتا تو وہ بائع سے کہے گا کہ تو نے میرے ساتھ جوا کھیلا اور مجھ سے ناحق پیسے لے لیے، ان کے بدلے میں مجھے تو نے کچھ نہیں دیا۔ یہ جوا بازی باہمی عداوت و بغض پر منتج ہوگی، مزید براں یہ عمل دوسروں کے مال ناجائز طریقے سے کھانے کے مترادف ہے جو صریح ظلم ہے، چنانچہ بیع الغرر اپنے اندر ظلم اور بغض و عداوت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبل الحبلۃ، ملاقیح و مضامین، بیع السنین اور بیع ملامسہ و منابذہ سے جو منع فرمایا ہے، تو اس کی وجہ ان معاملات کے اندر غرر کے عنصر کا ہونا ہے۔ (القواعد النورانیۃ الفقھیۃ ۱۳۸)

غرر (غیر یقینیت) اور جہل (لاعلمی) میں فرق

علماء ان دونوں اصطلاحات — غرر اور جہل — کے استعمال میں بہت توسع سے کام لیتے ہیں۔ وہ ایک کو دوسری کی جگہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ غرر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسی اشیاء کی بیع ہے جن کے بارے میں فریقین معاہدہ میں سے کوئی نہیں جانتا کہ آیا وہ چیز مشتری کے ہاتھ آئے گی یا نہیں، جیسے ہوا میں پرندے اور پانی میں مچھلی، لیکن وہ چیز جس کے حصول کے بارے میں فریقین کو علم ہو، صرف اس کی کیفیت و نوعیت نامعلوم ہو تو وہ مجہول ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میری جیب یا تھیلے میں جو چیز ہے، وہ میں تمہیں بیچتا ہوں۔ اب یہاں چیز کے وجود میں تو کوئی ابہام نہیں۔ ابہام یہ ہے کہ وہ چیز ہے کیا؟ پس غرر اور جہل میں سے، ایک دوسرے سے زیادہ عام ہے، اور ایک طرح سے خاص بھی ہے کہ کسی سودے میں دونوں ایک ساتھ بھی ہو سکتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی، (یعنی ایک ہی سودے میں غرر و جہل دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں)۔ ایک ایسا معاملہ جس میں صرف غرر کا عنصر ہو، جہل (لاعلمی) اس میں شامل نہ ہو، ایک معلوم و متعین بھگوڑے غلام کی فروخت ہے۔ غرر کا عنصر اس بیع میں یہ ہے کہ فریقین کو یہ پتا نہیں کہ غلام ملے گا یا نہیں۔

جہل (اوصاف کے بارے میں لاعلمی) جو غرر کے بغیر ہو، کی مثال ایک پتھر کی خرید ہے، جسے مشتری نے دیکھا ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ محض شیشہ ہے یا یاقوت۔ مشتری کا اس پتھر کا معائنہ اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ وہ یہ چیز حاصل کر لے گا۔ اس پہلو سے اس

میں کوئی غرر اور ابہام نہیں، لیکن وہ اس کی نوعیت نہیں جانتا، اس طرح یہ اب جہل کا معاملہ بن گیا ہے۔ (الفروق ۳: ۲۶۵)

غرر کی اقسام

غرر کی تین قسمیں ہیں۔

۱- کسی چیز کا معدوم ہونا، جیسے حاملہ جانور کا بچہ

۲- جس کے سپرد کرنے پر بائع قادر نہ ہو، جیسے بھاگا ہوا جانور

۳- ایک نامعلوم چیز، یا ایک ایسی متعین چیز جس کی نوعیت اور مقدار نامعلوم ہو، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تمہیں ایک غلام بیچا، یا جو کچھ میرے گھر میں ہے وہ میں نے تمہیں بیچا، یا میں نے تمہیں اپنا غلام بیچا۔

جہاں تک جنس ومقدار کے لحاظ سے متعین ومعلوم اور نوعیت وصفت کے لحاظ سے نامعلوم چیز کا تعلق ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں وہ کپڑا بیچا جو میری بغل کے نیچے ہے، یا میں نے تمہیں وہ غلام بیچا جو میری ملکیت میں ہے۔ یہ ایک معروف اختلافی مسئلہ ہے، اسے غائب چیز کی بیع کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد سے تین اقوال منسوب ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع کسی طور پر درست نہیں۔ یہ امام شافعی کے جدید قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بیع جائز ہے، چاہے چیز کے اوصاف بیان نہ کیے جائیں۔ ایسی صورت میں خریدار کو مبیع کے دیکھنے پر سودے کو فسخ کرنے، یا برقرار رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مشتری کو اختیارِ فسخ وقبول حاصل نہیں ہوگا۔ تیسرا قول جو مشہور قول سمجھا جاتا ہے، یہ ہے کہ بیانِ وصف کے ساتھ بیع درست ہے، وگرنہ نہیں۔ یہ امام مالک کے قول کے مطابق ہے۔

(القواعد النورانية الفقهية ۱۳۹-۱۴۰)

غرر کی مختلف صورتیں

غرر (غیر یقینیت اور ابہام) کی دس صورتیں ہیں:

۱- فروخت شدہ چیز کو خریدار کے سپرد کرنے میں دشواری، جیسے کوئی شخص گم شدہ جانور کو بیچے یا حاملہ

جانور کے پیٹ میں بچے کو فروخت کرے، جب کہ حاملہ جانور اس سودے کا حصہ نہ ہو۔

۲- قیمت یا مبیع سے متعلق لاعلمی، جیسے کوئی شخص خریدار سے کہے کہ جو میرے تھیلے میں ہے، وہ میں تمہیں بیچتا ہوں۔

۳- مبیع یا ثمن کے ضروری اوصاف سے لاعلمی، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہیں کپڑے کا ایک ٹکڑا جو میرے گھر میں ہے، بیچتا ہوں، یا وہ کوئی چیز اس طور پر بیچے کہ نہ تو خریدار نے اس چیز کو دیکھا ہو، اور نہ بائع نے اس کے بارے میں ضروری معلومات خریدار کو فراہم کی ہوں۔

۴- مبیع یا ثمن کی مقدار سے متعلق لاعلمی، جیسے کوئی شخص چیز فروخت کرتے وقت قیمت کا واضح طور پر تعین کرنے کی بجائے یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز مارکیٹ میں رائج قیمت پر، یا آج بازار میں اس کی جو قیمت ہے، اس پر فروخت کرتا ہوں۔

۵- معاہدے کی تکمیل کے وقت کے بارے میں لاعلمی، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں شخص کمرے میں داخل ہوا، یا فلاں شخص مر گیا تو میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی۔

۶- ایک ہی سودے میں دو سودے کرنا، جیسے کوئی شخص ایک ہی چیز دو مختلف قیمتوں پر فروخت کرے۔ ان میں سے ایک نقد قیمت ہو اور دوسری ادھار، یا وہ دو مختلف چیزوں کو ایک قیمت پر بیچے۔

۷- ایک ایسی چیز کی بیع جس کا باقی رہنا مشکوک ہو، جیسے ایک بیمار جانور کی فروخت۔

۸- بیع الحصاۃ: کنکری پھینک کر سودا کرنا۔

اس بیع کی صورت یہ ہے کہ بائع کنکریاں ہوا میں پھینکے اور خریدار سے یہ کہے کہ جس مالِ تجارت پر یہ کنکریاں پڑیں وہ اتنی قیمت پر تمہارا ہوا۔ کنکریاں پھینکنے کے ساتھ بیع ناقابل فسخ ہو جاتی ہے۔

۹- بیع المنابذہ— اس بیع میں فروخت کنندہ خریدار سے کہتا ہے کہ جیسے ہی یہ کپڑے کا تھان (یا کوئی دوسری چیز) میں نے تمہاری طرف پھینک دیا تو اتنی قیمت پر یہ سودا ہو گیا۔ خریدار کو کپڑا (یا وہ چیز) دیکھ کر بیع کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

۱۰- بیع الملامسۃ— کسی تجارتی مال یا کپڑے پر آنکھیں بند کر کے ہاتھ لگانا اور یہ طے کر لینا کہ

جس مال پر ہاتھ لگا وہ اتنے کا ہوا۔ (القوانين الفقهيه ۲۸۲-۲۸۳)

پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا

مالکی نقطۂ نظر

پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں۔ اس میں انگور، کھجور، ہر قسم کے پھل، سبزیاں اور اناج کی تمام فصلیں آجاتی ہیں۔ پھلوں اور فصلوں کی پختگی کے مختلف مفہوم ہیں۔ پھلوں کی پختگی سے مراد یہ ہے کہ وہ پیلے یا سرخ ہو جائیں۔ انگوروں کی پختگی یہ ہے کہ ان کا رنگ سیاہ ہو جائے، نیز ان میں مٹھاس آجائے۔ باقی پھلوں اور سبزیوں کی پختگی یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، کھیتی کی پختگی یہ ہے کہ فصل خشک ہو جائے اور پودوں کا تنا سخت ہو جائے۔

پھل اگر قابل استعمال ہوں تو انہیں پکنے سے پہلے فروخت کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سودا ہونے کے فوراً بعد انہیں درخت سے اتار لیا جائے گا، لیکن اگر سودا اس شرط کے ساتھ ہوا کہ پھل درخت پر ہی رہیں گے، (یعنی انہیں پختہ ہونے پر ہی اتارا جائے گا) تو بیع جائز نہیں۔ اگر فریقین نے فوری طور پر کاٹ لینے، یا باقی رکھنے کے سلسلے میں خاموشی اختیار کی تو اس بارے میں دو اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اگر خریدار نے پختگی ظاہر ہونے سے پہلے کاٹنے کی شرط پر سودا کیا تھا، پھر بعد میں اس نے انہیں درخت پر باقی رکھا تو بیع فسخ ہو جائے گی، اور اگر اس نے اس سودے کے بعد زمین خرید لی تو کھیتی کو باقی رکھنا جائز ہوگا۔ (القوانين الفقهيه ۲٦۱)

حنبلی نقطۂ نظر

پکنے سے پہلے پھلوں کی فروخت تین قسم کی ہو سکتی ہے:

پہلی قسم یہ ہے کہ پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط پر سودا ہو۔ یہ بیع بالاتفاق باطل ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی سے پہلے پھلوں کی فروخت سے منع کیا ہے۔ آپؐ نے بائع اور مشتری دونوں کو اس سے منع فرمایا (متفق علیہ)۔ ممانعت کا لازمی تقاضا ہے کہ جس عمل سے منع کیا جا رہا ہے، وہ فاسد ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ سودا پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط پر ہو۔ یہ بالاجماع درست ہے،

کیونکہ ممانعت محض اس اندیشے کی بناء پر ہے کہ خریدار کے وصول کرنے سے پہلے پھل کسی آفت کے نتیجے میں تلف ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا، جب تک وہ پختہ نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''دیکھو! اگر اللہ تمہیں پھل سے محروم کر دے تو کس بناء پر تمہارے لیے اپنے بھائی کا مال لینا درست ہوگا؟ (صحیح بخاری)۔'' اس کے برعکس جو پھل فوری طور پر درخت سے اتار لیا جاتا ہے، وہ مذکورہ خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے، چنانچہ اس کی بیع جائز تصور ہوتی ہے۔ اس طرح کا پھل (اپنے حکم کے لحاظ سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ پکنے والا پھل۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سودا پھلوں کے کاٹنے، یا باقی رکھنے کی کسی شرط کے بغیر ہو۔ ایسی بیع امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں یہ جائز ہے، کیونکہ معاہدے کو مطلق اور غیر مشروط رکھنا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ پھلوں کو کاٹ لیا جائے، یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ کاٹنے کی شرط معاہدے میں رکھی گئی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ممانعت ان کی پختگی سے پہلے بیع کی ہے۔ ممانعت کے الفاظ یہ بات ظاہر کر رہے ہیں کہ معاہدہ ایک ایسے مفہوم کے بارے میں ہے جو اس وقت مفقود ہے تاکہ ممانعت کا تصور کیا جا سکے۔ ہم (اس کے جواب میں) یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنے سے مطلقاً منع کیا ہے۔ یہیں اس میں وہ امر آ گیا ہے جو محل نزاع ہے۔ جہاں تک سیاق حدیث سے ان کے استدلال کا تعلق ہے تو وہ خود ان کے اپنے وضع کردہ اس اصول کو توڑتا ہے کہ معاہدہ اگر مطلق اور خالی از شرط ہو تو اس سے مراد پھلوں کا فوری طور پر کاٹ لینا ہوتا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ ان کا مذکورہ استدلال ہمارے موقف کو ثابت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاہدے کا مطلق اور خالی از شرط ہونے کا مفہوم پھلوں کو درخت پر باقی رکھتا ہے، یعنی اس طرح کے خالی از شرط معاہدے کی تفسیر یہ کی جائے گی کہ اس میں پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط رکھی گئی ہے، چنانچہ اس طرح کا معاہدہ ممانعت کے دائرے میں آئے گا۔ (المغنی ٦: ۱۴۸-۱۵۰)

معدوم اشیاء کی بیع

حنفی نقطۂ نظر

معقود علیہ کی شرائط کی متعدد انواع ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز موجود ہو، لہٰذا کسی معدوم چیز، یا ایسی چیز کی بیع جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہو، درست نہیں، جیسے جانور کے پیٹ کے اندر بچے کے بچے کی فروخت، مثلاً بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے اس جانور کے بچے کے بچے کو فروخت کر دیا۔ اسی طرح کسی جانور کے حمل کو فروخت کرنا ہے۔ اس سودے کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ پیٹ کے اندر بچے کی بیع ایک معدوم شے کی بیع ہے اور حمل کی بیع میں اس کے معدوم ہونے کا احتمال ہے۔ اسی طرح جانور کے تھنوں میں دودھ کو فروخت کرنے کا حکم ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۳۸)

حنبلی نقطۂ نظر

قرآن وسنت میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ معدوم چیز کی بیع جائز نہیں۔ اس طرح کے سودوں کے سلسلے میں رہنما حدیث یہ ہے: ''جو تمہارے پاس نہیں ہے اسے فروخت نہ کرو''۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس طرح کے سودے کی ممانعت کی وجہ غرر (غیر یقینیت) ہے نہ کہ چیز کا معدوم ہونا۔ یہاں غرر یا غیر یقینیت یہ ہے کہ فروخت کنندہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، مثال کے طور پر گم شدہ اونٹ کی بیع۔ اس صورت میں اگر علت یا سببِ ممانعت دور ہو جائے تو ممانعت بھی ختم ہو جائے گی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ شارع نے اجارے اور مساقات کی اجازت دی ہے، کیونکہ یہ دونوں غیر یقینیت کے عنصر سے خالی ہیں۔ اس کے مقابلے میں گم شدہ اونٹ کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، حالانکہ وہ موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سودے میں (سپردگی کے حوالے سے) غیر یقینیت ہے۔ اسی طرح شارع نے گم شدہ اونٹ کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے، کیونکہ مالک اسے کرائے پر لینے والے فریق کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ اصول سارے عقود معاوضات پر منطبق ہوگا، صرف بلا بدل معاہدات جیسے وصیت، اس سے مستثنیٰ ہوں گے، کیونکہ غیر یقینیت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی، چنانچہ وہ غیر یقینیت کے

باوجود بھی درست قرار پاتے ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں ایک غیر موجود چیز کی وصیت جائز ہوگی۔ (إعلام الموقعين، ۱: ۳۸۵)

عقود معاوضہ پر غرر کا اثر

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ نے اس بارے میں کہ کون سے معاملات میں غرر اور لاعلمی سے اجتناب کیا جانا چاہیے اور کن میں اجتناب ضروری نہیں، تفصیل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک معاملات وتصرفات تین قسم کے ہوتے ہیں:

اوّلاً: ایسے معاملات جن میں کسی چیز یا خدمت کا کوئی عوض لیا جائے۔ اس طرح کے معاملات میں غرر لاعلمی سے لازماً بچنا چاہیے، ماسوا ایسی صورت کے جہاں غرر اور لاعلمی کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

ثانیاً: ایسے معاملات جن کا مقصد دوسرے کے ساتھ محض نیکی اور احسان ہو، کوئی مالی منفعت نہ ہو، ان کی مثال صدقہ اور ہبہ ہے۔ صدقہ اور ہبہ جیسے معاملات اگر کسی غرر و لاعلمی کی بناء پر تکمیل کو نہ بھی پہنچ سکیں، تب بھی معاملے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا قصد کیا گیا ہے، اس نے صدقے یا ہبے کے لیے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا تھا، اور چیز کے نہ ملنے کی صورت میں اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف پہلی قسم کے تصرفات و معاملات میں غرر و لاعلمی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہاں اس نے چیز کی قیمت ادا کی ہے۔ اگر وہ چیز اسے نہیں ملتی تو اس کی رقم ضائع چلی جاتی ہے۔ حکمت شرع کا تقاضا یہ ہے کہ اس دوسری قسم کے معاملات میں غیر یقینیت اور لاعلمی کو روکا جائے۔ جہاں تک احسان اور بھلائی کے کاموں کا تعلق ہے ان میں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کی جائے، ایسے کاموں کو وسعت دی جائے، چاہے ان میں غیر یقینیت اور لاعلمی کا عنصر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے معاملات میں سخت گیر رویے کا مطلب ان کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ اگر کسی نے اپنا بھاگا ہوا اونٹ کسی کو ہبہ کیا تو اس میں دونوں احتمال موجود ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے ہبہ کیا گیا ہے، اسے اونٹ مل جائے اور اس کے لیے اونٹ سے فائدہ

حاصل کرنا ممکن ہو جائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اسے نہ مل سکے۔ دوسری صورت میں بھی موہوب لہ کو کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اس نے اس کے حصول کے لیے کوئی رقم خرچ نہیں کی۔

ثالثاً: وہ معاملات جن میں مالی معاوضہ اور احسان دونوں کا تصور موجود ہو جیسے معاہدۂ نکاح۔

(الفروق ا: ۱۵۰)

فصل دوم: بیوع ربا (ربا پر مشتمل سودے)

ربا الفضل

حنفی نقطۂ نظر

امام قدوری فرماتے ہیں کہ کیل و وزن کے ساتھ فروخت ہونے والی ہر چیز میں ربا حرام ہے، بشرطیکہ وہ اپنی ہی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کی جائے۔ ہمارے نزدیک حرمت کی علت کیل اور وزن کے ساتھ محل مبادلہ اشیاء کا متحد الجنس ہونا ہے۔ صاحبِ ھدایہ فرماتے ہیں کہ علت مقدار اور اتحاد جنس ہے اور یہ زیادہ جامع قول ہے۔ حرمت کی بنیاد مشہور حدیث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گندم گندم کے عوض برابر برابر اور دست بدست فروخت کرو اور زیادتی سود ہے''۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی مذکورہ شرائط کے ساتھ چھ چیزیں شمار فرمائیں، یعنی گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی۔

حکم حرمت کی علت ہمارے نزدیک وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان میں سے ماکولات (خوردنی اشیاء، گندم، جو، نمک، کھجور) میں جاری علت ان کا خوردنی ہونا ہے، اور ثمنیات (سونا اور چاندی) کی علت ان کی ثمنیت ہے۔ ان کا متحد الجنس ہونا بھی شرط ہے، (یعنی فروخت کی جانے والی اشیاء چاہے ماکولات ہوں، یا قیمت بننے والی اشیاء، اگر ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہوں تو ان کی باہمی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ سود شمار ہوگی) اور برابری کے ساتھ بیع کرنا ہی سود سے اجتناب کا راستہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سودی اموال میں حرمت ہی اصل ہے، کیونکہ شارع نے اس طرح کے سودے کے جواز کے لیے دو چیزوں کی صراحت کی ہے، فوری قبضہ (دست بدست سودا) اور وزن و مقدار میں برابری۔ ان دونوں شرطوں

میں سے ہر شرط مال کی اہمیت اور اس کے تقدس کو ظاہر کرتی ہے، جیسا کہ نکاح میں گواہی شرط ہے جو نکاح کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ مذکورہ معاملے میں بھی ضروری ہے کہ علت ایسی ہو جو مال کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرے اور وہ ماکولات (گندم، جو، کھجور، نمک) کا قابل خوردنی ہونا ہے، کیونکہ اس پر انسانی زندگی کی بقا کا دارومدار ہے اور ثمنیات (سونا، چاندی) میں وہ علت ثمنیت ہے، کیونکہ اس پر اموال کی بقا کا انحصار ہے اور انسانی مفاد بھی مال کے ساتھ وابستہ ہے۔ عوضین کا جنس کے لحاظ سے متحد ہونا (جو احناف کی بیان کردہ علت ہے) ان معنوں میں مؤثر نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے اسے شرط قرار دیا اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکم کا انحصار شرط پر ہوتا ہے۔ ہم (شوافع کے استدلال کے جواب میں) یہ کہتے ہیں کہ حدیث نے ان اموال کے مبادلے میں برابری کو بطور شرط واجب قرار دیا ہے جو حدیث کا بنیادی مقصد ہے۔ اسی سے بیع کی حقیقت جو مال کے ساتھ مال کے تبادلے سے عبارت ہے، ثابت ہوتی ہے۔ یہ مماثلت اور برابری کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، یا اس کا مقصود بیع کے فائدے کی تکمیل ہے، چنانچہ ہاتھوں ہاتھ سپرد کردینے کو برابری کی بیع کے ساتھ وابستہ کردیا، اور مماثلت کے معدوم ہونے کی صورت میں حرمت ربا کو لازم کردیا۔

یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ دو چیزوں کے درمیان مماثلت و برابری کا مفہوم صورت ومعنی میں برابری ہوتا ہے۔ معیار (کیل و وزن) میں برابری صوری برابری ہے اور جنس میں مماثلت و برابری معنوی برابری کی حیثیت رکھتی ہے۔ مقدار و جنس کی اس برابری میں خلل یا کمی بیشی سے ہی ربا کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ ربا اس مشروط اضافے کا نام ہے جو فریقین معاہدے میں سے کسی ایک کو بلا عوض دیا جائے، (اس کا مطلب یہ ہے کہ مماثلت و برابری کا اعتبار صورت ومعنی کے لحاظ سے ہوگا)۔ مماثلت و برابری میں وصف کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ عرف میں وصف کی کمی بیشی کو تفاوت شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر وصف کا تفاوت قابل اعتبار قرار دیا جائے تو خرید وفروخت کا راستہ بند ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان اشیاء میں (جن کی حرمت ربا بیان ہوئی) چیز کا عمدہ یا ناقص ہونا برابر ہے''۔ (الھدایہ، کتاب البیوع ۱: ۶۱)

حنبلی نقطۂ نظر

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ربا الفضل ہم جنس اشیاء میں واقع ہوگا۔ سعید بن جبیر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی دو چیزیں جن سے انتفاع ایک ہی نوعیت کا ہو (چاہے وہ مختلف الجنس ہوں)، ان کا باہمی تبادلہ کی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، جیسے گندم کا جو کے ساتھ تبادلہ اور کھجور کا کشمش کے ساتھ تبادلہ اور جوار کا باجرے کے ساتھ تبادلہ۔ ان کا فائدہ تقریباً ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، لہٰذا یہ دونوں ایک ہی جنس شمار ہوں گی، لیکن یہ قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: ''سونے کو چاندی کے ساتھ جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ مبادلہ دست بدست ہو''۔ اس حدیث کی روشنی میں سعید بن جبیر کا یہ قول قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قول اس بناء پر بھی غلط ہے کہ سونے اور چاندی کی علت ایک ہے ،تاہم تفاضل کے ساتھ ان کا مبادلہ جائز ہے۔ اصحاب علت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت ایک ہی ہے، اور دیگر چار اشیاء کی علت بھی ایک ہے۔ تاہم ان علتوں کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلے میں تین روایات مروی ہیں جن میں سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ سونے چاندی میں علت وزن ہے اور دیگر چار اشیاء میں کیل، (یعنی یہ پیمانے سے خریدی اور بیچی جانے والی اشیاء ہیں)۔ اس روایت کو امام احمد سے ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ خرقی، ابن ابی موسیٰ اور بہت سے دیگر لوگوں نے اسے ذکر کیا ہے۔ نخعی، زہری، ثوری، اسحاق اور اصحاب الرائے کی بھی یہی رائے ہے۔ اس روایت کی رو سے ربا کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو وزن یا ناپ سے فروخت کی جاتی ہو۔ جب ایسی اشیا کو ہم جنس چیز کے ساتھ فروخت کیا جائے، چاہے وہ ماکولات میں سے ہوں یا نہ ہوں، جیسے دانے، اون، ہلدی، مہندی، لوہا، تانبا وغیرہ۔ غذائی اجناس جنہیں ناپا یا وزن نہیں کیا جاتا، ان میں ربا نہیں ہوگا، جیسا کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ربا میں مبتلا ہو جاؤ گے''۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ''اے اللہ کے

رسولؐ! آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک شخص ایک گھوڑے کو بہت سے گھوڑوں کے بدلے فروخت کردے، یا اونٹنی کو اونٹ کے بدلے فروخت کردے تو!'' آپ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ دست بدست ہو''۔ اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز وزن کی جاتی ہو، اسے برابر برابر فروخت کیا جائے، اگر دونوں ایک ہی نوع کی ہوں، اور جو ناپی جاتی ہو، اسے برابر سرابر فروخت کیا جائے اگر دونوں ایک ہی نوع کی ہوں''۔ دارقطنی نے اسے روایت کیا ہے۔

(المغنی ٦: ۵۴-۵۵)

بیع العینہ

اگر بائع نے کوئی چیز ادھار پر بیچی تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے دوبارہ (اسی خریدار سے) قیمت فروخت سے کم قیمت پر خرید لے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی سامان ادھار پر بیچا، پھر اسے نقد قیمت پر اس سے کم قیمت پر خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ یہ ابن عباسؓ، عائشہؓ، حسنؒ، ابن سیرین، شعبی، نخعی، ابوالزناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، ثوری، اوزاعی، مالک، اسحاق اور اہل الرائے کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ (مشتری) اس ثمن پر بائع کے علاوہ کسی اور کو بیچ سکتا ہے، تو بائع کو بھی بیچ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کے لیے اسی پہلی قیمت پر بیچنا جائز ہے تو اس سے کم پر بیچنا بھی جائز ہے۔ ہماری دلیل عالیہ بنت ایفع بن شرحبیل کی روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں، زیدؓ بن ارقم کی بیوی اور ان کی ام ولد سب حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ زیدؓ بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے زیدؓ بن ارقم کو ایک غلام آٹھ سو درہم میں ادھار پر فروخت کیا، پھر انہی سے وہ غلام چھ سو درہم میں نقد خرید لیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''بہت بری ہے وہ شے جو تو نے فروخت کی اور بری ہے وہ شے جو تو نے خریدی۔ میری طرف سے زیدؓ بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا جہاد باطل (مسترد) کردیا ہے، یہاں تک کہ وہ توبہ کریں''۔ اسے امام احمد اور امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ ظاہر

بات ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو اتنی سخت وعید سنائی ہے۔ اس کی بنیاد لازماً یہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اس روایت کی حیثیت یہ ہوگی کہ گویا یہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اس سودے کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے، یہاں پر سامان تجارت کو درمیان میں ڈال کر اسے بیع کی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سودے کا حقیقی مقصد ایک ہزار کو ایک متعین مدت تک پانچ سو کے عوض بیچنا ہے۔

(المغنی ٦: ٢٦٠-٢٦١)

بیع العربون

''عربون'' یا بیعانہ دے کر کوئی چیز خریدنے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدلے اور بائع کو کچھ رقم دے دے کہ اگر ہمارے درمیان سودا طے پا گیا تو یہ پیشگی رقم قیمت میں سے محسوب کرلی جائے، دوسری صورت میں یہ رقم بائع کی ہوجائے گی۔ ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط نفس معاہدہ کا حصہ ہو تو یہ بیع باطل ہوگی، اور اگر اس نے معاہدے سے پہلے یہ بات کہی، معاہدے کے دوران میں اس کا ذکر نہیں کیا تو یہ بیع درست ہے۔

عربون یا بیعانہ (کی شرعی حیثیت) کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہمارا (شافعی) مسلک جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ ہے۔ اگر شرط معاہدے کا حصہ ہو تو بیع ناجائز ہے، ابن المنذر نے ابن عباسؓ، حسنؒ، مالکؒ، اور ابوحنیفہؒ کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ ہم ابن عمرؓ اور ابن سیرینؒ کے اقوال کی بنا پر اسے جائز کہتے ہیں۔ نافع بن عبدالحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے ایک گھر چار ہزار میں اس شرط پر خریدا کہ اگر عمرؓ اس سودے پر راضی ہوگئے تو ٹھیک، ورنہ صفوان بن امیہ چار سو کے مالک ہوجائیں گے۔ (جو کہ بیعانہ کے طور پر انہیں دیے گئے تھے)۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے سامنے حدیث عمرؓ بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں اس کے بعد کیا کہہ سکتا ہوں، (یعنی اس کے بعد اس کے جواز میں کیا شبہ رہ جاتا ہے)۔ اِسے ابن المنذر نے نقل کیا ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس بیع کے جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ نے مذکورہ حدیث کی بنا

پر اسے باطل قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے عدم جواز کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایک فاسد شرط پائی جاتی ہے، نیز اس میں غیر یقینیت کا عنصر ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسروں کا مال ناحق کھانے کے مترادف ہے۔ بیع عربون (بیعانے والا سودا) اہل الرائے کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا میلان بھی اسی جانب ہے۔

(المجموع ۷: ۳۳۵)

فصل سوم: دھوکے اور ضرر رسانی کی بناء پر ناجائز سودے

اس باب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے منع فرمایا ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی بیع میں مداخلت کر کے وہ چیز خرید لے جو اس کا بھائی خرید رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے شخص کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اسی طرح تلقی الرکبان کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ شہری تاجر قافلے کا سامان منڈی تک پہنچنے سے پہلے ہی شہر سے باہر اہلِ قافلہ سے ارزاں نرخوں پر خرید لیں اور بعد میں اپنی مرضی پر اسے فروخت کریں)۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی تاجر کے سامان کی بیع کرنے سے شہری کو منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص محض قیمت بڑھانے کی غرض سے کسی کی دی ہوئی بولی پر بولی دے، جبکہ اس کا مقصد خریدنا نہ ہو۔ ان آثار کی تفصیل میں علماء کی مختلف آراء ہیں، تاہم یہ اختلافات بنیادی نوعیت کے نہیں ہیں۔

سودے پر سودے کی ممانعت

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول **لا یبیع بعضکم علی بیع بعض** کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی بائع کی طرف سے فروخت کے لیے رکھی ہوئی چیز کی قیمت لگانے والے آدمی کے مقابلے میں اس چیز کی قیمت زیادہ لگائے، خاص کر اس وقت جب بائع اس عقد میں قیمت لگانے والے پہلے خریدار کی

طرف مائل (راضی) ہو، بائع اور مشتری کے درمیان محض تھوڑی سی چیزوں کا تصفیہ باقی ہو، (یعنی ان کے درمیان تقریباً سودا طے پا چکا ہو)، جیسے بائع یا مشتری کا چاندی کی جگہ سونے میں لین دین کرنا یا مبیع میں نقص سے متعلق شرائط عائد کرنے کا مسئلہ (کہ مبیع میں عیب نہیں اور یہ کہ عیب کی صورت میں مشتری کو سودا فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا، یا یہ کہ بائع کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوگا)، ان امور کے علاوہ باقی پر ان کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہو۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کی جو تفسیر کی ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی وہی مسلک ہے۔ امام ثوری فرماتے ہیں کہ **لایبیع بعضکم علی بیع بعض** کا مفہوم یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے سودے میں کوئی تیسرا شخص یہ کہتے ہوئے مداخلت نہ کرے کہ میرا سامان اس سامان سے اچھا ہے۔ امام ثوریؒ نے بائع کے مشتری کی بتائی ہوئی قیمت پر راضی ہونے اور اس عقد کی طرف مائل و متوجہ ہونے، یا کسی اور چیز کے وقت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب معاہدۂ بیع زبان سے مکمل ہو جائے، مگر بائع اور مشتری ابھی تک الگ نہ ہوئے ہوں کہ اسی اثناء میں ایک اور آدمی آ جائے اور اپنا سامان پیش کرتے ہوئے کہے کہ میرا سامان اس سامان سے اچھا ہے۔ یہ ان کے اس مسلک کے مطابق ہے کہ خرید و فروخت اس وقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک زبان سے اقرار کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں۔

امام شافعی اور امام مالکؒ اس امر پر متفق ہیں کہ (حدیث میں) ممانعتِ عقد کا تعلق اس حالت اور مرحلے سے ہے جب معاہدہ لازم ہونے کے قریب ہوتا ہے، تاہم دونوں میں اختلاف اس مسئلے پر ہے کہ لزومِ معاہدہ کا مرحلہ کون سا ہے؟ **(بدایۃ المجتہد ۲: ۱۲۴)**

شہری کا دیہاتی کی اشیاء فروخت کرنا

حنفی نقطۂ نظر

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس غلہ یا چارہ ہو جسے وہ صرف دیہات والوں کو ہی مہنگی قیمت پر فروخت کرے، یہ ناجائز ہے، کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی

شہری دیہاتی کے لیے کوئی شے فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعے روزی فراہم کرے''۔

اور اگر اس نے اسے فروخت کیا تو بیع جائز ہوگی، کیونکہ ممانعت کا تعلق نفس بیع سے نہیں، بلکہ خارجی امر سے ہے، جو یہ ہے کہ اس سے اہل شہر کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ (خارجی امر) ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر بیع فاسد ہوتی ہو جیسے اذان جمعہ کے وقت سودا کرنا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۲۳۲)

مالکی نقطۂ نظر

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ شہری دیہات میں رہنے والوں کی اشیاء (بطور وکیل) فروخت کرنے کا کام نہ کرے، تو اس کی تشریح میں علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شہری لوگ دیہاتی افراد کا سامان کسی طور پر فروخت نہ کریں، البتہ دیہاتی کے لیے شہری کی خریداری کے سلسلے میں امام مالک سے مختلف اقوال منسوب ہیں۔ بعض اقوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابن حبیب نے اسی کی تائید کی ہے۔ بعض دیگر اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کی ممانعت کے قائل ہیں۔

شہری افراد سے مراد بڑے شہروں کے باشندے ہیں۔ امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ ان کے نزدیک دیہات والے خانہ بدوشوں کی اشیاء بھی فروخت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کی رائے امام شافعی اور امام اوزاعی کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ شہری کے دیہاتی کے لیے سامان فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ وہ اسے بازاری نرخ بتادے۔ جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ اس امر پر متفق ہیں کہ ممانعت کی حکمت شہری افراد (عام صارفین) کے مفاد کا تحفظ ہے، (کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ شہری تاجر دیہاتی کا مال مہنگے داموں پر فروخت کرے جس کا نقصان شہر کے عام صارفین کو ہوگا۔ اس کے برعکس دیہاتی اگر خود یہ مال فروخت کرے گا تو وہ سستے داموں پر فروخت کرے گا، کیوں کہ دیہات والوں کے ہاں اشیائے ضرورت عام طور پر شہر کے مقابلے میں سہل الحصول، ارزاں بلکہ بسا اوقات مفت ہوتی ہیں)۔ ممانعت کے قائل افراد کے نقطۂ نظر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی دیہاتی کے مفاد

میں شہری کے کام کرنے کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "دین خیر خواہی کا نام ہے" (اس خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ نرخ بتانے کے عمل کو درست قرار دیا جائے)۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے اسی حدیث کی بنیاد پر اس کے جواز (نرخ بتانے کے جواز) کا فتویٰ دیا ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے خرید و فروخت نہ کرے، لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تا کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دے"۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ آخری اضافہ صرف سنن ابی داؤدؒ ہی میں ہے۔ لگتا یہ ہے کہ دیہاتی کو دھوکا دینے کے قبیل سے ہے، کیونکہ وہ شہر آتا ہے اور اسے نرخ معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ اضافہ درست ثابت ہو جائے تو اس صورت میں حدیث کا مفہوم تلقی الرکبان کی ممانعت والا ہو جائے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے اور یہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے۔

البتہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ اگر ایسا سودا ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ کے نزدیک جب سودا ہو جائے تو خرید و فروخت جائز سمجھی جائے گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے روزی دے"۔

اس تشریح میں امام مالک کے شاگردوں کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایسا سودا فسخ ہو جائے گا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ فسخ نہیں ہوگا۔ (بداية المجتهد ۲: ۱۲۵)

منڈی سے باہر مال خریدنے کی ممانعت

حنفی نقطۂ نظر

اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کسی شخص کو جب کسی ایسے قافلے کی آمد کا پتہ چلے جو بڑے تجارتی سامان کے ہمراہ آ رہا ہو تو کوئی شخص اسے راستے میں جا کر ملے اور اس کے پاس جو بھی خورونوش کا سامان ہو وہ خریدے اور شہر میں واپس آ کر اسے مرضی کی قیمت پر فروخت کرے۔ یہ خریداری مکروہ ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم راستے میں (منڈی سے باہر) سامان کا سودا نہ کرو، یہاں تک کہ تاجر منڈی میں سامان اتار نہ دے"۔

یہ حکم اس وقت ہے جب اہل شہر کو اس عمل سے نقصان پہنچے، مثلاً وہ خشک سالی اور قحط وغیرہ کا شکار ہوں، لیکن اگر یہ اہل شہر کے لیے نقصان دہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بعض فقہاء اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص اہل قافلہ کو جا کر ملے اور ان سے سامان منڈی کے بھاؤ سے کم پر اس عالم میں خرید لے، جبکہ قافلے والوں کو منڈی کے بھاؤ کا علم نہ ہو۔ یہ بھی مکروہ ہے۔ خواہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوتا ہو، یا نہ ہوتا ہو۔ اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اہل قافلہ کو دھوکا دیا ہے، تاہم مذکورہ صورتوں میں خریداری جائز ہے، کیونکہ خرید وفروخت فی نفسہ جائز ہے، ممانعت کا تعلق ایک خارجی امر سے ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۲۳۲)

مالکی نقطۂ نظر

خرید وفروحت کے باب میں تلقی الرکبان کی ممانعت ہے جس کے مفہوم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام مالک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس سے مقصود بازار اور مارکیٹ (میں تجارت اور قیمتوں پر نظر وتجربہ رکھنے) والے تاجر ہیں، جنہیں دیہات سے سامان تجارت لانے والوں سے، منڈی میں پہنچنے سے قبل راستے میں ہی، سامان واشیائے ضرورت خریدنے سے اس لیے منع فرمایا تاکہ چند لوگ عام مارکیٹ والوں سے بڑھ کر سستی اشیاء پر اجارہ داری قائم نہ کرلیں۔ ان کے نزدیک، اشیائے ضرورت کو کھیت اور دیہات سے منڈی تک پہنچنے سے قبل ہی خرید لینا درست نہیں، جب کہ وہ اشیاء منڈی کے قریب پہنچ چکی ہوں۔ البتہ دور ہونے کی صورت میں خرید لینے میں کوئی حرج نہیں۔

امام مالک کے نزدیک، اس قرب کی حد چھ میل ہے، اس فاصلے تک اشیاء کی خریداری تو جائز ہے، لیکن خریدار تاجر کو چاہیے کہ اس سامان میں متعلقہ مارکیٹ کے باقی تاجروں کو بھی شریک کر لے۔

امام شافعی کے نزدیک اس ممانعت کا مقصد بائع، یعنی کھیت اور دیہات کے کاشت کار وغیرہ کے مفاد کا تحفظ ہے، تاکہ منڈی کے بھاؤ کی سوجھ بوجھ رکھنے والے تاجر راستے میں اس کی ناواقفی کا فائدہ اٹھا کر سستے داموں سامان نہ خرید لیں۔

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے، جب ایسا معاملہ ہو جائے تو علم ہونے پر اشیاء کے مالک دیہاتی یا کاشتکار کو سودا منسوخ کرنے یا برقرار رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

امام شافعی کی رائے کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

''منڈی میں سامان لانے والے سے راستے میں (منڈی سے باہر) خریداری نہ کرو، اگر اس طرح کا سودا ہو تو بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ منڈی پہنچ کر (اس کا حقیقی بھاؤ دیکھ کر) سودے کو منسوخ کردے''۔ مسلم اور دیگر محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (بداية المجتهد ۲: ۱۲۵)

جھوٹی بولی دینے کی ممانعت

نجش یا جھوٹی بولی دینا یہ ہے کہ کوئی شخص مبیع کی تعریف کرے اور اس کی قیمت لگائے جب کہ اس کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہو کہ دوسرا شخص (جو واقعی خریدنے کا خواش مند ہو) یہ قیمت سن کر چیز کی زیادہ قیمت لگائے۔ یہ مکروہ ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع کیا ہے، کیوں کہ یہ مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے کی حیلہ سازی ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ (حقیقی خریدار) اس کی اصل قیمت پر خریدنا چاہے، لیکن اگر اس نے سامان کو کم قیمت پر لینا چاہا اور کسی شخص نے فرضی گاہک بن کر مداخلت کی تا آنکہ مبیع کی قیمت مارکیٹ کی قیمت کے برابر ہوگئی تو یہ بات غلط نہ ہوگی، چاہے جعلی گاہک کا ارادہ اسے خریدنے کا نہ ہو۔

(بدائع الصنائع ۵: ۲۳۳)

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت

ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے۔ اس بارے میں ہماری گفتگو دو عنوانات کے تحت ہے۔

۱- ذخیرہ اندوزی کا مفہوم کیا ہے؟ اور کسی انسان کو ذخیرہ اندوز کب کہا جاسکتا ہے؟

۲- ذخیرہ اندوزی کا شرعی حکم کیا ہے؟

ذخیرہ اندوزی کا مفہوم

ذخیرہ اندوزی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے غلہ خریدے اور پھر اسے فروخت نہ کرے اور یہ امر لوگوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے۔ اسی طرح اگر اس نے کسی قریبی جگہ سے

غلہ خریدا اور اسے اٹھا کر کسی چھوٹے شہر لے گیا۔ اب اگر وہاں جا کر اسے فروخت نہ کرے تو وہ ذخیرہ اندوز کہلائے گا۔ کیونکہ اس کا اپنے مال کو فروخت نہ کرنا اہل شہر کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ شہر بڑا ہے جہاں اس طرح کی ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو، تو وہ ذخیرہ اندوز نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اس شہر میں کسی دور دراز جگہ سے غلہ لے کر گیا اور اس کو لے جا کر ذخیرہ کر لیا تو وہ ذخیرہ اندوز نہ کہلائے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذخیرہ اندوز شمار ہوگا، کیونکہ کوئی چیز خرید کر فروخت نہ کرنے کا عدم جواز اس بناء پر ہے کہ اس سے عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، اور زیر بحث مسئلے میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ''غلہ دور سے اٹھا کر لانے والے کو رزق ملتا ہے'' اور یہاں یہ شخص دور سے غلہ لانے والا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس لیے بھی ذخیرہ اندوز نہیں ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت اس شہر میں خریدی ہوئی شے کو روک لینے کی بناء پر ہے، کیونکہ لوگوں کے حقوق ومفادات کا تعلق اس سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ان کا حق روک دے تو گویا وہ ان پر ظلم کرتا ہے۔ زیر بحث مسئلے میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ یہاں خریدی ہوئی شے کسی دور دراز جگہ سے لائی گئی ہے، اس لیے اس شہر کے لوگوں کا حق اس سے متعلق نہیں ہے، لہٰذا اس کا ظلم ثابت نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود افضل یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے، بلکہ وہ اس غلے کو فروخت کر دے کیونکہ اس کو روک رکھنے میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

اسی طرح اگر اسے اپنی زمین سے کچھ پیداوار حاصل ہوئی اور اس نے اس پیداوار کو روک لیا تو یہ بھی ذخیرہ اندوزی نہ ہوگی، کیوں کہ اہل شہر کا حق اس سے متعلق نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ذخیرہ اندوزی ہر اس چیز میں ثابت ہوتی ہے۔ جس (کی عدم دستیابی سے) عامۃ الناس کو تنگی اور پریشانی ہوتی ہو، خواہ وہ خوراک ہو یا کوئی اور چیز۔ امام محمد کے نزدیک ذخیرہ اندوزی صرف لوگوں کی خوراک، مثلاً گندم اور جانوروں کے چارے مثلاً گھاس وغیرہ میں ہوتی ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کو خوراک اور چارے کی

ذخیرہ اندوزی سے نقصان ہوتا ہے،لہٰذا ذخیرہ اندوزی انہی اشیاء میں ثابت ہوگی۔اس کے برعکس امام ابو یوسفؒ کا استدلال یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی کا عدم جواز عامۃ الناس کو پہنچنے والے نقصان کی بناء پر ہے اور یہ خوراک اور جانوروں کے چارے تک محدود نہیں ہے۔

ذخیرہ اندوزی کے احکام

ذخیرہ اندوزی کے متعدد احکام ہیں،جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف: اس کا حرام ہونا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:''جس نے چالیس روز تک کھانے پینے کی اشیاء روک رکھیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے''۔یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اتنی سخت وعید صرف حرام فعل کے ارتکاب پر ہی دی جاتی ہے،ایسا اس لیے ہے کہ ذخیرہ اندوزی ایک طرح کا ظلم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شہر میں فروخت ہونے والی چیز کے ساتھ اس شہر کے عام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے۔اگر ایک شخص نے خریدی ہوئی چیز کو لوگوں کی شدید ضرورت وحاجت کے باوجود فروخت سے روکے رکھا تو گویا اس نے اہل شہر کو ان کا جائز حق نہیں دیا،اور یہ ظلم کی ایک صورت ہے جو شریعت میں حرام ہے۔حرمت کے حوالے سے ذخیرہ اندوزی کی مدت کا کم یا زیادہ ہونا دونوں یکساں ہیں،کیوں کہ دونوں میں لوگوں کے ساتھ زیادتی کا پہلو شامل ہے۔

ب: ذخیرہ کرنے والے کو اپنے ظلم کی تلافی کے طور پر سامان،فروخت کرنے کو کہا جائے گا،تاہم وہ صرف اتنا سامان فروخت کرنے کا پابند ہوگا جو اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوراک سے فاضل ہوگا۔اگر وہ ایسا نہ کرے اور ذخیرہ اندوزی پر اصرار کرے اور دوسری دفعہ حاکم وقت کے سامنے پیش ہونے کے باوجود سامان کی فروخت سے انکار کرے تو حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے سمجھائے اور ڈرائے دھمکائے،لیکن اگر وہ پھر بھی ذخیرہ اندوزی پر اڑا رہے تو حاکم وقت تیسری شکایت پر اسے قید کر لے اور مناسب سزا دے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۲۹)

باب ششم

خیاراتِ بیع (فریقین کا سودے کے ردّ وقبول کا اختیار)

خیار کے لحاظ سے معاہدے کی اقسام

اختیارِ فسخ وقبول کے لحاظ سے معاہدے کی چھ قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایسا عقد لازم (نا قابل فسخ معاہدہ) جس کا مقصد ثمن کا عوض لینا ہوتا ہے، جیسے معاہدۂ بیع یا اس کے ہم معنی دیگر معاہدات (اجارہ وغیرہ)۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

اولاً: ایسا معاہدہ جس میں خیارِ مجلس اور خیارِ شرط ثابت ہوتے ہیں۔ خیارِ مجلس اور خیارِ شرط کے ساتھ طے پانے والے سودے میں مبیع کا مجلسِ معاہدہ میں قبضہ لینا شرط نہیں ہوتا۔ عقد صلح اور روایت کے مطابق بالعوض ہبہ اور خدمت وذمہ داری کا اجارہ بھی معاہدہ بیع کے معنوں میں ہیں۔ اجارے کی مثال یہ ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے: ''میں نے کپڑا لینے کے لیے تمہاری خدمات معاوضے پر لیں''۔ اس طرح کے معاہدے میں خیار، یعنی اختیار ردّ وقبول متعلقہ فریق معاہدہ کو حاصل ہوتا ہے، کیونکہ خیار، معاہدۂ بیع میں نص سے ثابت ہے اور اجارہ بھی بیع کے ہم معنی ہے۔ معینہ اجارے میں اگر اجارے کا آغاز معاہدے کے وقت سے ہوتا ہو تو پھر اس میں صرف خیار مجلس ثابت ہوگا نہ کہ خیار شرط۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار شرط کی وجہ سے مطلوبہ منفعت فوت ہو جاتی ہے، یعنی مدت خیار میں موضوع اجارہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اور یہ درست نہیں۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ کبھی اس رائے کے ہم نوا نظر آتے ہیں اور کبھی ان کا موقف یہ ملتا ہے کہ بیع کی طرح معین اجارے میں بھی خیار مجلس اور خیار شرط ثابت ہیں۔ ہم نے دونوں کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے۔ جہاں تک شفعہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی اختیار رد وقبول ثابت

نہیں، کیونکہ مشتری سے مبیع (فروخت شدہ چیز) زبردستی لی جاسکتی ہے،اور شفعہ کا مستحق اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ مشتری کی مرضی کے بغیر اس سے مبیع حاصل کرے۔ اس طرح یہ بیع عیب کی بناء پر فسخ ہونے والی بیع کی مانند ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شفیع کے لیے خیار مجلس ثابت ہو، کیونکہ اس نے مبیع کو اسی قیمت پر قبول کیا ہے، (جس پر سودا طے پایا ہے)۔اس طرح شفیع کی حیثیت مشتری کی ہوگئی، (یعنی جس طرح مشتری کے لیے خیار مجلس ثابت ہے۔ اسی طرح شفیع کے لیے بھی خیار مجلس ثابت ہوگا)۔

ثانیاً: ایسا معاہدہ جس میں مجلسِ معاہدہ میں مبیع پر قبضہ کرنا لازم ہوتا ہے جیسے عقد صرف اور عقد سلم اور ربوی اموال کا مبادلہ۔

اس طرح کے معاہدات میں خیارِ شرط کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ مذکورہ بیوع کی بنیادی بات ہی یہ ہے کہ فریقین کے باہم جدا ہونے کے بعد ان کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ تب ہی فروخت شدہ چیز پر مجلس معاہدہ میں قبضے کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اگر ان معاہدات میں خیار، یعنی حق فسخ وقبول کو تسلیم کرلیا جائے تو ان کے درمیان تعلق برقرار رہتا ہے (جو کہ ان معاہدات کے مقصد کے منافی ہے)، تاہم مذکورہ بیوع میں خیار مجلس ثابت ہے۔ خیار مجلس کے بارے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ عمومی نوعیت کی ہے، (اس کا اطلاق تمام بیوع پر ہوتا ہے) اور ایک روایت یہ ہے کہ ان بیوع میں خیار شرط کی طرح خیار مجلس بھی ثابت نہیں۔

دوسری قسم: ایسا ناقابل فسخ معاہدہ جس کا مقصود کوئی مالی عوض لینا نہیں ہوتا، جیسے نکاح اور خلع۔ ان میں بھی خیار یا حق فسخ وقبول کسی فریق کو حاصل نہیں ہوتا۔ خیار کا مقصد مالی عوض میں اپنا حصہ پہچاننے کے لیے ہوتا ہے، جب کہ نکاح وخلع میں مالی عوض مقصود بالذات نہیں۔ وقف اور ہبہ بھی اسی طرح ہیں۔ نکاح میں خیار یا حق فسخ وقبول کی بناء پر فریقین کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔

تیسری قسم: ایسا معاہدہ جو ایک فریق کے لیے لازم ہے، مگر دوسرے کے لیے غیر لازم۔ اس کی مثال رہن ہے کہ وہ راہن کے حق میں لازم ہے اور مرتہن کے حق میں غیر لازم، یعنی قابل فسخ ہے۔ اس میں خیار، یعنی حق فسخ وقبول کی اجازت نہیں، کیونکہ مرتہن کے حق میں معاہدے کے غیر لازم اور

قابل فسخ ہونے کی بناء پر اس میں کسی خیار کی عملاً ضرورت ہی نہیں۔ اس کے برعکس راہن کو اس وقت تک یہ خیار حاصل ہے، جب تک وہ دین وصول نہ کرلے۔

اسی طرح ضامن وکفیل کے لیے بھی اختیار فسخ وقبول نہیں، کیونکہ وہ رضا کارانہ طور پر ضامن وکفیل بننے پر تیار ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں ممکنہ نقصان برداشت کرنے پر بھی وہ راضی ہیں۔

چوتھی قسم: ایسا معاہدہ جو دونوں فریقوں کے لیے غیر لازم ہو، جیسے شرکت، مضاربت، جعالہ، وکالہ، ودیعہ، وصیت وغیرہ۔ ان معاملات میں خیار یا حق فسخ وقبول کسی فریق کے لیے ثابت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملات اپنی اصل وضع میں ہی غیر لازم اور قابل فسخ ہیں۔

پانچویں قسم: ایسا معاہدہ جس میں فسخ وعدم فسخ دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے، جیسے مزارعت ومساقاۃ، تاہم زیادہ احتمال اس کا ہے کہ وہ غیر لازم اور قابل فسخ معاہدات کی قسم کے ہیں، اس بناء پر ان میں بھی خیار ثابت نہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ لازم اور ناقابل فسخ ہیں۔ چنانچہ ثبوت اختیار فسخ وقبول کے لحاظ سے اس میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ گھڑدوڑ اور نیزہ بازی بھی اسی قبیل سے ہیں۔ گھڑدوڑ اور نیزہ بازی بظاہر جعالہ سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ ان میں خیار ثابت نہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ اجارہ کے تحت آتے ہیں۔

چھٹی قسم: ایسا لازم معاہدہ جو فریقین معاہدہ میں سے ایک کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، (یعنی جو ایک فریق کے مفاد میں ہوتا ہے) جیسے حوالہ اور حق شفعہ کا استعمال۔ ایسے معاہدے میں خیار نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس فریق کی رضامندی ضروری یا قابل لحاظ نہیں، اسے اختیار فسخ وقبول حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اختیار ایک فریق کے لیے ثابت نہیں تو دوسرے کے لیے بھی ثابت نہیں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محیل (قرض کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنے والا) اور شفیع دونوں کو اختیار فسخ وقبول دیا جائے، کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے، جس کا مقصد مالی عوض حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بیع کی مانند ہے، یعنی جس طرح بیع میں خیار ثابت ہے، اسی طرح ان معاملات میں خیار ثابت ہوگا۔ (المغنی ٦: ٤٩-٥٠)

خیار (اختیار فسخ وقبول) کی اقسام

۱۔ خیار مجلس (مجلس معاہدہ میں سودا فسخ کرنے کا اختیار)

حنفی نقطۂ نظر

ایجاب وقبول کی صفت یہ ہے کہ ان میں سے ایک اسی وقت لازم ہوتا ہے جب دوسرا موجود ہو، (یعنی دونوں عبارتیں ادا کی جائیں)۔ فریقینِ معاہدہ میں سے اگر کسی ایک فریق کی طرف سے ایجاب کیا جائے تو دوسرے کو (قبول کی عبارت ادا کرنے سے پہلے) ''خیار قبول'' حاصل ہوگا، جب کہ ایجاب کنندہ کو بھی دوسرے کے قبول سے پہلے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بائع ومشتری کو سودا فسخ کرنے کا اختیار اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں''۔ جدا ہونے سے پہلے سودے کو فسخ کرنے کا یہ اختیار ''خیار قبول'' اور ''خیار رجوع'' کہلاتا ہے، (احناف کے نزدیک یہی خیار مجلس ہے)۔ فریقین کو یہ حق اس لیے دیا گیا ہے کہ اگر صیغے (ایجاب وقبول) کا کوئی حصہ دوسرے کے وجود میں آنے سے پہلے لازم قرار دے دیا جائے تو اس عبارت کا ادا کرنے والا (اپنی مرضی کے خلاف) اس کا پابند ہو جائے گا جو درست نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع، ملخص، ۵: ۱۳۳-۱۳۴)

پس اگر بائع یا مشتری میں سے کسی ایک نے ایجاب کیا تو دوسرے کو اس مجلس کے اختتام تک اختیار ہوگا کہ چاہے تو یہ پیشکش قبول کرلے اور چاہے تو رد کر دے۔ یہ اختیار شرعی اصطلاح میں ''خیار قبول'' کہلاتا ہے۔ اگر دوسرے کو ''خیار قبول'' حاصل نہ ہو تو گویا اس کی مرضی کے بغیر اسے سودے کا پابند بنانا ہوگا۔ چونکہ دوسرے فریق کے قبول سے پہلے محض ایجاب پر بیع کا حکم مرتب نہیں ہوتا، لہٰذا ایجاب کنندہ کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے اپنے ایجاب سے رجوع کرلے۔ ایسا کرنے سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔

یہ اختیار (اختیار قبول اور اختیار رجوع) مجلس کے اختتام تک برقرار رہتا ہے۔ مجلسِ واحد متفرق امور کے لیے جامع کا حکم رکھتی ہے، لہٰذا سہولت کی خاطر اس کے مختلف لمحات ایک ہی

ساعت شمار ہوتے ہیں۔

بائع اور مشتری میں سے کوئی بھی اگر قبول کرنے سے پہلے اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا تو ایجاب باطل ہو جائے گا، کیونکہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہونا بیع سے اعراض و رجوع کی علامت ہے، اور ایجاب سے پہلے انہیں رجوع کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ احناف کے نزدیک ایجاب وقبول سے معاہدہ لازم اور ناقابلِ فسخ ہو جاتا ہے۔ بعض دیگر فقہاء کے نزدیک وہ مجلس معاہدہ کے اختتام تک قابل فسخ رہتا ہے۔ مجلس معاہدہ میں معاہدے کو فسخ کرنے کے اس اختیار کو خیار مجلس کہا جاتا ہے۔ (الهداية ۳: ۲۱)

حنبلی نقطۂ نظر

ابوالقاسمؒ نے فرمایا: ''بائع اور مشتری دونوں کو (سودا فسخ کرنے یا اسے قبول کرنے کا) اختیار حاصل ہے، جب تک کہ وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں''۔ اس (حق فسخ وقبول) سے بیع غیر لازم ہو جاتی ہے۔ دونوں سودا کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا حق حاصل رہتا ہے جب تک وہ ایک جگہ موجود ہوں اور ابھی تک جدا نہ ہوئے ہوں۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ یہی حضرات عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور ابو برزہؓ کا مسلک ہے۔ حضرات سعید بن المسیبؒ، شریحؒ، شعبیؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ زہریؒ، اوزاعیؒ، ابن ابی ذئبؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ، ابوعبیدؒ اور ابوثورؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ اور اصحاب رائے کا کہنا ہے کہ معاہدہ ایجاب وقبول سے لازم (ناقابل فسخ) ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بیع یا تو ایک طے پانے والا سودا ہے، یا وہ رد وقبول کے اختیار کا نام ہے۔ پھر یہ کہ وہ ایک عقد معاوضہ ہے، لہٰذا وہ نکاح اور خلع کی طرح معاہدہ ہونے کے ساتھ ہی ناقابل فسخ ہو جاتا ہے۔

ہماری دلیل عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو افراد سودا کریں تو ان میں سے ہر ایک کو اس وقت تک اسے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں، یا ان میں سے ایک دوسرے کو اس سودے کو (ایک مخصوص وقت کے اندر) رد یا قبول کرنے کا اختیار دے دے، (ایسی صورت میں بھی وہ بیع غیر لازم اور قابل فسخ ہو جاتی ہے)۔ پس

اگر کسی نے دوسرے کو ایسا حق یا اختیار دے دیا، اور اس حق فسخ وقبول کے ساتھ انہوں نے بیع کی تو وہ بیع اختیار دینے والے کے حق میں لازم ہوگی۔ اور اگر سودے کے بعد وہ اس حال میں جدا ہوئے کہ کسی نے اس سودے کو ترک نہیں کیا تھا تو پھر بھی بیع لازم اور ناقابل فسخ ہوگی'' (متفق علیہ)۔ ایک اور روایت میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''سودا کرنے والوں کو اختیار (فسخ وقبول) اس وقت تک ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں''۔ یہ حدیث اس مسئلے میں بہت واضح ہے۔ بہت سے اہل علم نے امام مالکؒ کی مخالفتِ حدیث کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، حالانکہ یہ حدیث ان کے نزدیک ثابت ہے اور انہوں نے خود بھی اسے روایت کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''تفریق'' سے مراد تفرق بالاقوال ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے وماتفرق الذين أوتوا الكتاب۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ استدلال غلط ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں، اس کی خود لفظ یا عبارت میں گنجائش موجود نہیں ہے، کیونکہ سودا کرنے والوں کے درمیان کوئی لفظی یا فکری علیحدگی واقع نہیں ہوتی، بلکہ ثمن اور بیع پر اختلاف ہوتا ہے جو بعد میں اتفاق کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی تعبیر وتفسیر سے حدیث کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اختیار تو بائع اور مشتری کو پہلے ہی حاصل ہے کہ وہ معاہدہ کرنے سے پہلے یہ سودا ترک کر دیں، یا اسے مکمل کریں (اس کے برعکس حدیث سودا مکمل ہونے کے بعد انہیں مجلسِ معاہدہ کے اندر سودے کو رد کرنے کا حق دیتی ہے)۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یوں آیا ہے کہ ''دو افراد جب بیع کر لیں تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار (فسخ وقبول) حاصل ہے''۔ اس حدیث میں فریقین کو فسخ بیع کا حق سودا ہو جانے کے بعد دیا گیا ہے۔ چوتھی وجہ ابن عمرؓ کا عمل ہے جو اس حدیث کی تشریح کرتا ہے۔ ابن عمرؓ کا عمل یہ تھا کہ جب وہ کوئی سودا کر لیتے تو چند قدم چلتے، تاکہ سودا لازم اور ناقابل فسخ ہو جائے۔

بائع اور مشتری کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے۔ یہ بات مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔ فریقین کی علیحدگی کے بعد بیع کے لازم ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ (اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) علیحدگی کی کیفیت کیا ہوگی۔ اس میں لوگوں

کے عرف و عادت کو مدنظر رکھا جائے گا کہ وہ کس چیز کو علیحدگی کہتے ہیں۔ (مذکورہ حدیث میں) شارع نے اسے مدارِ حکم تو بنایا ہے، تاہم اس کی کیفیت بیان نہیں کی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارع کا علیحدگی سے مقصود کوئی ایسا مفہوم ہے جسے لوگ جانتے ہیں جیسے قبضے اور حرز کا مفہوم۔ اگر وہ دونوں کسی کھلی جگہ جیسے وسیع وعریض مسجد یا صحرا میں ہوں، تو ان کے درمیان علیحدگی اس طرح ہوسکتی ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کی طرف پیٹھ موڑ کر چند قدم آگے کی طرف چلنا شروع کردے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے اتنا دور ہو جائے کہ عام طور پر اس کی بات سنائی نہ دے سکتی ہو۔ ابوالحارث کہتے ہیں کہ امام احمد سے جسمانی علیحدگی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اس طرح واقع ہوتی ہے کہ ایک شخص ایک سمت چلا جائے اور دوسرا دوسری سمت چلا جائے۔ مسلم، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب کوئی سودا اس ارادے سے کرتے کہ اسے فسخ نہیں کرنا ہے، تو وہ تھوڑا سا چلتے اور پھر لوٹ آتے۔ اگر بائع ومشتری کسی بڑے گھر میں ہوں جس کے بہت سے کمرے ہوں تو علیحدگی کا مطلب ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے جانا ہے۔ اگر کسی چھوٹے گھر میں ہوں تو علیحدگی کا مطلب ایک کا چھت پر چلے جانا یا باہر نکل جانا ہے، تاہم اگر مشتری خود ہی بائع ہو، مثلاً اپنے مال میں سے اپنے لڑکے کے لیے کوئی چیز خریدے تو اس صورت میں اسے خیارِ مجلس حاصل نہیں ہوگا۔ (المغنی ۶: ۱۰-۱۲)

اگر فروخت شدہ سامان خیار مجلس کے عرصے میں تلف ہو گیا، یا وہ کوئی غلام تھا جسے مشتری نے آزاد کر دیا، یا وہ مر گیا، تو ان صورتوں میں فریقین کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ (المغنی ۶: ۱۷)

۲۔ خیارِ شرط (تین دن کے اندر معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار)

خیار شرط کی مشروعیت

ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے انصار کے ایک شخص کو کیے ہوئے سودے کو تین دن تک فسخ کرنے کا حق دیا۔ اس شخص کا نام حبان بن منقذ تھا، اور اس کے والد کا نام منقذ بن عمر تھا، اس شخص کے نام میں اختلاف ہے۔ یہ شخص اپنے سودوں میں اکثر دھوکے اور نقصان کا شکار رہتا تھا۔ اس کی وجہ اس کے سر کی چوٹ تھی (جس کی وجہ سے وہ سمجھداری

کے ساتھ سودے کرنے سے معذور تھا)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ جب بھی تم کوئی چیز فروخت کرو تو خریدار سے کہہ دیا کرو: ''کوئی دھوکہ نہیں اور مجھے تین دن کا اختیار ہے، (یعنی میں تین دن کے اندر سودے کو فسخ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں)''۔ وہ لام کا تلفظ ادا کرنے سے معذور تھا، اس لیے وہ لا خلابۃ کی بجائے لا حزابۃ کہا کرتا تھا۔ اس حدیث سے خیار شرط کے ساتھ سودا کرنے کا جواز ملتا ہے، اگرچہ قیاس یا عمومی قاعدہ ایسی شرط کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار یا حق فسخ وقبول کی شرط معاہدۂ بیع کو معلق کر دیتی ہے (اس کی وجہ سے معاہدہ فوری طور پر نافذ العمل نہیں رہتا اور بائع ومشتری ثمن ومبیع سے فائدہ اٹھا نہیں سکتے)، جب کہ مالی عوض والے معاہدے کو کسی امر پر معلق نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے معاہدات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لازم و نا قابل فسخ ہوں، اور فوری طور پر ان کا نفاذ ہو اور ان کے نتیجے میں ملکیت مشتری کو منتقل ہو جائے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں حدیث، نیز لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس کے تقاضے کو نظر انداز کر دیا، (یعنی خیار شرط کی اجازت حدیث رسولؐ اور عوامی مصلحت وضرورت کی بناء پر ہے نہ کہ قیاس اور عمومی قاعدے کی بناء پر)۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بیع معائنہ سے طے پاتی ہے۔ اس کا مقصد مبیع سے فائدہ اٹھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ چیز اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی خود اس کا بغور معائنہ کرے اور اپنے دوستوں کو دکھائے۔ اس مقصد کے لیے اس خیار (حق ردوقبول) کی شرط معاہدے میں رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بھی معروف امر ہے کہ شریعت نے بہت سے عقود کو محض لوگوں کی ضرورت کی بناء پر جائز کیا ہے، جیسے عقد اجارہ اور اس جیسے دیگر عقود۔ اس پس منظر میں اگر لوگوں کی ضرورت کی بناء پر کوئی معاملہ جائز ہو سکتا ہے تو شرط خیار کے ساتھ معاہدۂ بیع تو بطریق اولی جائز ہونا چاہیے، (کیونکہ اس کی ضرورت اجارے سے کہیں زیادہ ہے)۔

(المبسوط ۱۳: ۴۰-۴۱)

خیار شرط کی مدت

خیار شرط کی مدت کا تعین تین دن یا اس سے کم کیا گیا ہے۔ خیار شرط کے لیے تین دن

سے زیادہ کا عرصہ جائز نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی رائے ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک خیار شرط (کے استعمال) کا عرصہ تین دن سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ مدت کا تعین کرلیا جائے، قطع نظر اس کے کہ مدت کم ہے یا زیادہ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''مسلمان شرائط معاہدہ کے پابند ہیں''۔ اس حدیث کی رو سے اگر کسی نے خیارِ شرط کے لیے ایک ماہ کی مدت مقرر کی تو فریقین پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔ مزید براں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو اونٹنی کے سودے میں دو ماہ کا اختیار ردوقبول دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مدت معاہدے کے ساتھ بطور شرط وابستہ ہے، اس لیے اسے تین دن تک محدود کرنا درست نہیں، جیسے ثمن کی ادائیگی کی مدت (ثمن کی ادائیگی کی مدت تین دن سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے)، چنانچہ جس مقصد کے لیے خیار شرط وضع کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے تین دن یا اس سے زیادہ کی مدت دونوں برابر ہیں۔ مزید براں اسی طرح کا خیار (اختیار ردوقبول) مشتری کو مبیع میں کسی نقص وعیب کی صورت میں، یا ان دیکھی چیز کو خریدنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے، جسے خیار عیب اور خیار رویت کہا جاتا ہے۔ خیار عیب اور خیار رویت کی صورت میں مشتری اپنا حق فسخ وقبول تین دن سے زیادہ کی مدت میں بھی استعمال کرسکتا ہے، تو جب خیار شرط سے ملتے جلتے ''خیارات'' میں تین دن سے زیادہ کا عرصہ جائز ہے تو خیار شرط کی صورت میں کیوں ناجائز ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کا وقت مقرر کیا ہے۔

اب یہاں تین طرح کے احتمالات ہوسکتے ہیں:

اولاً: یہ تعین تین دن سے زیادہ کے عرصے کی ممانعت کے لیے ہو۔

ثانیاً: تین دن سے کم عرصے کی ممانعت کے لیے ہو۔

ثالثاً: ان دونوں میں کسی ایک مدت کی ممانعت کے لیے ہو۔

جہاں تک تین دن سے کم عرصے کا تعلق ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جائز ہے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ شارع کی طرف سے خیارِ شرط کے عرصے کا تعین تین دن سے زیادہ کے عرصے کی ممانعت کے لیے تھا۔ اگر تین دن پر اضافے کی ممانعت مقصود نہ ہوتی تو پھر تعیین مدت کی ضرورت

کیا تھی؟

صاحب شرع نے یہ جو تین دن کا عرصہ مقرر کیا ہے، یہ فائدے اور مصلحت سے خالی نہیں۔ بنیادی طور پر خیارِ شرط سے معاہدے میں ابہام وغیر یقینیت پیدا ہوتی ہے۔ خیار شرط کا عرصہ جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی غیر یقینیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس کی تائید نبی اکرمؐ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ آپؐ نے ابہام اور غیر یقینی امور (غرر) پر مشتمل سودوں سے منع فرمایا۔ ہم نے قیاس اور عمومی قاعدے کو خیار شرط والی حدیث کی بناء پر چھوڑ دیا ہے، اور تین دن کے عرصے کے لیے خیار شرط کو قبول کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معمولی ابہام اور غرر کے ساتھ یہ معاہدہ جائز ہے، جب کہ زیادہ ابہام و غیر یقینیت (جو تین دن سے زیادہ کی مدت کی وجہ سے وجود میں آتی ہے) کے ساتھ یہ معاہدہ درست نہیں۔ (المبسوط ۱۳: ۴۱)

خیار شرط کب ساقط ہوتا ہے؟

اگر خیار شرط (حق فسخ وقبول) خریدار کو تین دن کے لیے حاصل تھا اور وہ اپنا حق یا اختیار استعمال کرنے سے پہلے مر گیا تو خیار شرط ساقط ہو جائے گا اور بیع لازم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر خیار بائع کے لیے تھا اور وہ مر گیا، یا دونوں کے لیے تھا اور وہ دونوں مر گئے تو بیع لازم اور نا قابل فسخ ہو جائے گی۔ فقہاء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ جس شخص کو خیار حاصل تھا، اس کے علاوہ دوسرا فریق مر گیا تو صاحب خیار کا خیار اب بھی باقی سمجھا جائے گا۔ ہمارے نزدیک خیارِ شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ ورثاء کو منتقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کو خیار حاصل تھا، اس کا وارث یہ استعمال کر سکتا ہے، کیونکہ یہ ایک نا قابل فسخ حق ہے جس کا تعلق معاہدۂ بیع سے ہے، لہٰذا صاحب خیار کی غیر موجودگی میں وارث اس کا قائم مقام ہوگا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے مبیع یا ثمن کی ملکیت کے معاملے میں اور حق کفالت و رہن میں وارث میت کا جانشین ہوتا ہے، تاہم خیار قبول اور قرض کی مدت ادائیگی کے معاملے میں وہ اس کی جانشینی نہیں کر سکتا، کیونکہ مدت بیع کا حصہ نہیں، بلکہ یہ دین کی صفت ہے۔ مزید براں وراثت تو نام ہی اس چیز کا ہے جس سے وارث مستفید ہو سکیں، جب کہ مہلت ادائیگی قرض کو باقی رکھنے میں کسی کا کوئی

مفاد نہیں، لہٰذا مقروض کی موت کے ساتھ ہی مہلت ادائیگی ساقط ہو جائے گی اور قرض فوری طور پر واجب الادا ہو جائے گا، (یعنی مہلت کا یہ حق جو مورث کو حاصل تھا، وارث کو منتقل نہیں ہوگا)۔ میت کے ذمے یہ قرض اس وقت تک واجب الادا ہے جب تک اس کی طرف سے ادا نہ کر دیا جائے۔ وارث بھی اس وقت تک ترکے میں کوئی آزادانہ تصرف نہیں کر سکتا۔ خیار قبول اور مہلت ادائیگی قرض کے برعکس خیار شرط ورثاء کو منتقل کرنے میں وارث اور مورث دونوں کا مفاد ہے، کیونکہ اس کے ذریعے متوقع نقصان اور دھوکے کا سد باب کیا جا سکتا ہے۔

شافعیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خیارِ شرط فروخت شدہ چیز میں، چونکہ ایک ثابت شدہ اختیار ہے، لہٰذا وارث اس میں اپنے مورث کا اسی طرح جانشین ہوگا جس طرح وہ خیار عیب میں ہوتا ہے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کو خیار حاصل ہے، اس کی جانب سے ادا کی جانے والی چیز عرصۂ خیار میں اس کی ملک میں رہتی ہے، اور وارث متوفی کا انہی چیزوں میں جانشین بنتا ہے جو موت کے وقت اس کی ملک میں ہوں۔ چنانچہ اگر مبیع میں بائع کی ملکیت اس کی موت تک باقی ہے تو یہ ملکیت اس کے وارث کو بھی منتقل ہوگی اور اس منتقلی سے معاہدہ باطل نہیں ہوگا۔ ملکیت کے وارث کی طرف منتقل ہونے کا فطری نتیجہ اس میں ثابت شدہ خیار کی منتقلی بھی ہے، تاکہ وارث متوفی کے جانشین کے طور پر خیار کو استعمال کر سکے۔ امام شافعی کے موقف کے برعکس ہم اپنے موقف کے حق میں وہ دلیل پیش کرتے ہیں جو حاکم شہید نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے کہ سودا خیار، یا حقِ فسخ کے ساتھ ہوا ہے، اور خیار کا مطلب سودے کو فسخ کرنے یا مبیع کو لوٹانے کے سلسلے میں صاحب خیار کا ذاتی ارادہ ہے۔ یہ ذاتی ارادہ موت کے ساتھ کسی اور کو منتقل نہیں ہوتا، کیونکہ ارادہ و مشیّت ایک صفت کا نام ہے جو عام طور پر قابل انتقال نہیں ہوتی، البتہ جو چیزیں قابل انتقال ہیں، وہی وراثت میں ورثاء کو ملتی ہیں۔ اس کے برعکس جو چیزیں ناقابل انتقال ہیں جیسے متوفی کی منکوحہ اور ام ولد، تو وہ ورثاء کو منتقل نہیں ہوتیں۔ اسی طرح معاہدہ بھی وارث کو منتقل نہیں ہوتا، کیونکہ منتقل وہ چیز ہوتی ہے جو باقی ہو، جب کہ معاہدہ تو ایک زبانی قول (ایجاب وقبول) تھا جو زمانۂ ماضی کا حصہ بن گیا اور اب باقی نہیں، لہٰذا ورثاء کی طرف اس کی منتقلی ناقابل تصور ہے۔ ہاں!

البتہ وارث کو اِقالہ کا حق حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ملک بیع میں، نہ کہ عقد میں، متوفی کا قائم مقام ہے۔ اس ملکیت کی بناء پر اسے حق اقالہ حاصل ہے۔ (المبسوط ۱۳: ۴۲-۴۳)

اگر وہ فریق جسے خیار حاصل تھا، خاموش رہا، یہاں تک کہ تین دن گزر گئے، یا اس کی عقل زائل ہوگئی، یا اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی، یا وہ مرتد ہونے کی بناء پر قتل کر دیا گیا، یا مر گیا، یعنی صاحب خیار مقررہ مدت میں اپنا اختیار استعمال نہیں کر سکا، تو بیع لازم اور ناقابل فسخ ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حق ایک خاص مدت کے لیے ہے، وہ اس مدت کے گزرنے پر ساقط ہو جاتا ہے۔ بیع تو اصلاً ایک لازم اور ناقابل فسخ معاہدہ ہوتا ہے۔ خیار اس کے لزوم میں صرف مانع ہوتا ہے۔ یہ خیار جیسے ہی ساقط ہوتا ہے، چاہے کسی وجہ سے بھی ہو، تو بیع دوبارہ لازم ہو جاتی ہے۔ اگر خیار مشتری کو حاصل ہو اور خرید کردہ سامان اس کے ہاتھ میں تلف ہو جائے، تو قیمت مشتری پر واجب الادا ہو جائے گی اور خیار ساقط ہو جائے گا، کیونکہ جب سامان تلف ہو گیا تو وہ اس حق کو استعمال کرنے سے معذور ہو گیا، اور تلف ہونے سے وہ سامان متعین ہو گیا۔ خیار شرط کے بموجب اس پر لازم تھا کہ وہ اسے اسی حالت میں واپس کرتا جس میں اس نے اس پر قبضہ کیا تھا، تلف ہونے کے بعد وہ ایسا کرنے سے قاصر ہے، لہٰذا اس کا خیار ساقط ہو گیا اور بیع لازم ہوگئی۔ اب چونکہ مبیع اس کے پاس ہے، لہٰذا اس پر قیمت کی ادائیگی بھی لازم ہوگئی۔

اسی طرح اگر فروخت شدہ سامان میں اس کے فعل، یا کسی اور کے فعل کے نتیجے میں، یا کسی آسمانی آفت، یا مبیع کے اپنے فعل کے نتیجے میں کوئی عیب ونقص پیدا ہو گیا تو اس کا خیار یا حقِ فسخ ساقط ہو گیا۔ اسی طرح اگر اس نے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا، تب بھی اس کا خیار ساقط ہو جائے گا، کیونکہ سامان کو بیچنے کے لیے پیش کرنا ایک قسم کا تصرف ہے جو کسی چیز کے مالک ہونے کی بناء پر ہوتا ہے۔ یہ تصرف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اپنا اختیار ساقط کر دیا ہے اور سودے پر راضی ہو گیا ہے۔ اس رضامندی کی بناء پر سامان پر اس کی ملکیت قائم ہوگئی ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں اس سودے پر راضی ہوں، تب بھی اس کا سامان کو واپس کرنے کا حق ساقط ہو گیا۔ (المبسوط ۱۳: ۴۴)

۳۔ خیار رویت

خیار رویت کی مشروعیت

اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہیں تھی تو ایسی بیع جائز ہے اور چیز کو دیکھنے پر اسے اختیار ہے کہ چاہے تو پوری قیمت دے کر چیز لے لے، یا اسے واپس کر دے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس طرح کی بیع سرے سے درست نہیں، کیونکہ اس سودے میں مبیع مجہول و نامعلوم ہے۔ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: ''جس نے کوئی چیز دیکھے بغیر خریدی تو اسے چیز دیکھنے پر اختیار (ردو قبول) حاصل ہوگا''۔ دوسری بات یہ ہے کہ نہ دیکھنے کی وجہ سے مبیع (فروخت شدہ سامان) کا مجہول ہونا ایسا امر نہیں ہے جو جھگڑے کا باعث بنے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ دیکھنے پر، اگر اسے چیز پسند نہ آئے تو اسے رد کر دے۔ یہ عملاً اس مبیع کی طرح ہے جو سامنے موجود ہو اور جس کی اشارے سے نشاندہی بھی کر دی گئی ہو، تاہم اس کے ضروری اوصاف غیر معلوم ہوں۔

اگر خریدار مبیع کو دیکھنے سے پہلے کہہ دے کہ میں سودے پر راضی ہوں، پھر وہ مبیع کو دیکھے، تب بھی اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، کیونکہ شریعت نے جو اختیار دیا ہے، وہ دیکھنے پر موقوف ہے، اس لیے دیکھنے سے پہلے وہ ساقط نہیں ہوگا۔ دیکھنے سے پہلے اسے عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ یہ حق فسخ اس بناء پر اسے حاصل ہے کہ ابھی معاہدہ لازم نہیں ہوا، نہ کہ اس بنا پر کہ یہ حدیث کا کوئی تقاضا ہے۔

چونکہ کسی چیز کے ضروری اوصاف جانے بغیر اس کی خریداری پر رضامندی معتبر نہیں، لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ ''میں راضی ہوں'' قابل اعتبار نہیں، البتہ اس کا یہ کہنا کہ ''میں نے سودا رد کیا''، درست ہے۔

خیار رویت کس کا حق ہے؟

اگر بائع نے کوئی چیز فروخت کی جو اس نے ابھی نہیں دیکھی تو اسے اختیار فسخ حاصل نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے اس کے اختیار کے قائل تھے اور اسے خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس

کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ معاہدہ مکمل اور حقیقی رضا مندی کے ساتھ ہی تکمیل پاتا اور لازم ہوتا ہے، جب کہ مبیع کے اوصاف وخصائص جانے بغیر مکمل اور حقیقی رضا مندی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ایسی رضا مندی صرف چیز کو دیکھ کر ہی دی جا سکتی ہے، چنانچہ مبیع کو بغیر دیکھے بائع بھی اس پر اپنی ملکیت کے زائل ہونے کو پسند نہیں کرے گا، (یعنی یہ خیار اسے بھی حاصل ہے، کیونکہ خیار نہ ہونے کی صورت میں چیز کی فروخت کے ساتھ ہی وہ چیز اس کی ملکیت سے نکل جائے گی)۔

بعد میں امام ابو حنیفہ نے اپنے اس قول سے، کہ یہ خیار بائع کو بھی حاصل ہے، رجوع کر لیا۔ان کا استدلال یہ ہے کہ خیار رویت خریداری پر موقوف ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا یہ خیار صرف خریدار ہی کے لیے ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بصرہ میں اپنی زمین حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کے ہاتھ فروخت کی۔ حضرت طلحہؓ سے کہا گیا کہ وہ اس سودے میں گھاٹے میں رہے۔ اس پر حضرت طلحہؓ نے کہا کہ مجھے اختیار حاصل ہے کہ اس سودے کو منظور کر لوں یا فسخ کر دوں، کیونکہ میں نے جو چیز خریدی ہے، وہ اب تک نہیں دیکھی۔ حضرت عثمانؓ کو بھی لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کو اس سودے میں نقصان ہے۔انہوں نے کہا کہ مجھے اب بھی اختیار فسخ حاصل ہے، کیونکہ میں نے زمین بغیر دیکھے فروخت کی ہے۔دونوں حضرات نے حضرت جبیرؓ بن مطعم کو اس معاملے میں اپنا ثالث بنایا۔حضرت جبیرؓ نے حضرت طلحہؓ (جو خریدار تھے) کے حق میں خیار کا فیصلہ دے دیا۔ یہ معاملہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں طے پایا۔

خیار رویت کی مدت

خیار رویت کے لیے کوئی مدت مخصوص نہیں۔ یہ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اسے باطل کر دینے والا کوئی امر نہ پایا جائے۔

خیار رویت کب ساقط ہوتا ہے؟

وہ تمام امور جو خیار شرط کو ساقط کرتے ہیں جیسے مبیع میں نقص پیدا ہو جانا یا خریدار کا اس میں کوئی تصرف کرنا، وہ خیار رویت کو بھی ساقط کر دیتے ہیں۔

لیکن اگر تصرف کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کا ازالہ ممکن نہ ہو، جیسے کوئی غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا، یا رویت سے پہلے اسے مدبر بنا دیا، یا تصرف کی نوعیت ایسی ہو کہ جس سے اس چیز پر غیر کا حق ثابت ہو جائے، جیسے بیع، رہن، اجارہ وغیرہ، (یعنی وہ چیز فروخت کر دی، یا اجارے پر دے دی یا بطور رہن کسی کے پاس رکھوا دی) تو ایسے تصرفات سے خیار رویت باطل ہو جاتا ہے۔ ان تصرفات کی بناء پر عقد لازم ونا قابل فسخ ہو جاتا ہے، لہٰذا خیار بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر تصرف کی نوعیت ایسی ہے جو غیر کا حق ثابت نہیں کرتی، مثلاً خیارِ شرط کے ساتھ بیع، یا مول تول اور بھاؤ کرنے کے لیے اس چیز کو پیش کرنا، یا اس طور پر ہبہ کرنا کہ وہ چیز موہوب لہ کے سپرد نہ کی جائے تو ان تصرفات سے خیارِ رویت باطل نہ ہوگا۔ رویت کے بعد اس طرح کے تصرفات سے خیار ساقط ہو جائے گا، کیونکہ یہ تصرف اس کی رضامندی کا اظہار ہیں۔

جس شخص نے غلے کے ڈھیر پر نظر ڈالی، یا لپیٹے ہوئے کپڑے کی بیرونی تہہ یا جانور کے چہرے اور سرین پر نظر ڈالی تو ان صورتوں میں مشتری کا خیار رویت باقی نہیں رہے گا۔ خیار رویت کے استعمال کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ ساری کی ساری مبیع کا دیکھنا شرط اور ضروری نہیں، کیونکہ بعض اوقات پوری مبیع کا دیکھنا مشکل ہوتا ہے، لہٰذا ان حصوں کے دیکھنے کو کافی سمجھا جائے گا جن سے اصل مقصود سے آگاہی میں مدد مل سکتی ہو۔ (الھدایۃ ۳: ۳۲-۳۳)

۴۔ خیار غبن (دھوکے اور نقصان کی بناء پر سودا فسخ کرنے کا اختیار)

خیار غبن کی اقسام

خیار غبن کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم تلقی الرکبان ہے۔ تلقی الرکبان سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ دیہات سے سامان تجارت فروخت کرنے کی غرض سے شہر لائیں، اور کچھ شہری ان لوگوں کے منڈی تک پہنچنے سے پہلے انہیں راستے میں جا لیں اور ان سے سامان خرید لیں۔ الرعایۃ میں آیا ہے کہ تلقی الرکبان مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے اور یہی زیادہ راجح ہے۔ تلقی الرکبان میں قصد ونیت کا پایا جانا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص اہل قافلہ سے منڈی سے باہر خرید وفروخت کرے، بعد میں

انہیں (اہل قافلہ کو) منڈی پہنچ کر یہ پتہ چلے کہ ان کے ساتھ غیر معمولی دھوکہ ہوا ہے تو انہیں سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کی دلیل نبی اکرمؐ کی وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے: ''سامان لانے والوں سے راستے میں مت ملو، جو ان سے مل کر کچھ خرید لے تو منڈی پہنچ کر اسے اختیار (فسخ) ہوگا''۔ اہل قافلہ کو اس حق کا ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ اپنی جگہ درست ہے۔ ممانعت یا حرمت کا تعلق فی نفسہ بیع کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ (ایک خارجی امر) دھوکے سے ہے جس کا ازالہ حق خیار فسخ دے کر کیا گیا ہے۔ یہ خیار فسخ مصراۃ کی بیع میں دیے گئے حق فسخ کی مانند ہے۔ (مصراۃ وہ جانور ہے جس کے تھنوں میں دودھ کو روک دیا گیا ہو، تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ وہ زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے، اس طرح کے سودے میں بھی شریعت نے خریدار کو حق فسخ دیا ہے)۔

دوسری قسم نجش ہے۔ خریداری کے ارادے کے بغیر محض قیمت میں اضافے کے لیے بولی دینا نجش کہلاتا ہے۔ یہ عمل حرام ہے، کیونکہ یہ مشتری کو دھوکا اور فریب دینے کے مترادف ہے۔ نجش کی صورت میں مشتری کو خیار فسخ حاصل ہے۔ المبدع میں آیا ہے کہ نظر بظاہر نجش کے عمل کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مشتری ناواقف ہو اور جھوٹی بولی دینے والا غیر معمولی طور پر عیار ہو، اگر مشتری کو قیمت یا صورت حال کا علم تھا، اور وہ پھر بھی دھوکے میں آ گیا تو اسے اختیار فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے خود غور وفکر نہیں کیا اور جلد بازی میں دھوکا کھا گیا۔ یہ حق فسخ مشتری کو اس صورت میں بھی حاصل ہوگا، جب جھوٹی بولی دینے والے نے بائع کے ساتھ کسی ملی بھگت کے بغیر از خود زیادہ بولی دی ہو، یا مشتری کے علم کے بغیر بائع نے خود ہی قیمت میں اس طور پر اضافہ کر دیا ہو کہ مشتری سمجھ نہ پایا ہو۔ ابن رجب نے اربعین نووی کی شرح میں لکھا ہے کہ (پورا سودا فسخ کرنے کی بجائے) قیمت کا اتنا حصہ کم یا واپس کیا جائے جس میں اسے دھوکا ہوا ہے۔ ابن رجب کی مذکورہ رائے سے ابوبکر نے التنبیہ میں اور المنهج، التلخيص، الترغيب، البلغة، الرعاية الصغرى، الحاوی الصغير، تذکرہ ابن عبدوس کے مصنفین نے بھی اتفاق کیا ہے۔

نجش کی ایک صورت یہ ہے، جیسے بائع جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہے کہ اسے اس کی اتنی قیمت مل رہی تھی۔ اس صورت میں مشتری کو سودا فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری کو یہ بتائے کہ اس نے یہ چیز اتنے میں خریدی، جبکہ حقیقی قیمت اس سے کہیں کم ہو۔ ایسی صورت میں بیع تو باطل نہیں ہوگی، لیکن مشتری کو سودا فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

تیسری قسم مسترسل ہے۔ مسترسل وہ بائع یا مشتری ہے جو قیمت سے ناواقف ہو، اور اچھی طرح بھاؤ تاؤ نہ کرسکتا ہو۔ اسے بھی غیر معمولی دھوکے کی صورت میں سودا ختم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اس بارے میں اس کا یہ بیان کہ وہ قیمت سے ناواقف تھا، قَسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی قرینہ اس کے دعویٰ ء لاعلمی کو جھٹلا رہا ہو۔ اس صورت میں اس کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ ابن نصر اللہ کہتے ہیں کہ زیادہ قرین صحت یہ ہے کہ قَسم کی بجائے وہ کوئی ثبوت پیش کرے کہ وہ قیمت سے لاعلم تھا، کیونکہ اس طرح کے معاملات میں ثبوت مشکل نہیں ہوتا۔ وہ شخص جسے چیز کی حقیقی قیمت کا علم ہے اور اس علم و واقفیت کے باوجود دھوکے کا شکار ہوتا ہے تو ایسے شخص کو حق فسخ حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے محض جلد بازی کی بنا پر دھوکہ کھایا ہے۔ اگر وہ تھوڑا توقف کرتا اور جلد بازی نہ کرتا تو دھوکے کا شکار نہ ہوتا۔ (کشاف القناع عن متن الاقناع ۳:۱۹۹-۲۰۰)

۵۔ خیارعیب (عیب کی بناء پر سودا فسخ کرنے کا اختیار)

خیارعیب کی مشروعیت

جس شخص کو اپنے قابل فروخت سامان میں کسی عیب کا پتہ چلے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ خریدار کو اس عیب سے مطلع کیے بغیر سامان کو بیچے۔ اگر وہ عیب بیان کیے بغیر چیز بیچتا ہے تو گنہگار اور خدا کا نافرمان ہے۔ امام احمدؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔ ان کی دلیل حکیمؓ بن حزام کی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’خرید وفروخت کرنے والے فریقین کو اس وقت تک (بیع کو فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوجائیں۔ اگر اس سودے میں

انہوں نے سچ بولا اور ہر چیز کھول کر بیان کردی تو ان کے سودے میں برکت ہوگی، اور اگر انہوں نے غلط بیانی کی اور جو بات ظاہر کرنا چاہیے تھی، اسے چھپایا تو اس سودے سے برکت اٹھ جائے گی'' (متفق علیہ)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو کوئی چیز اس طور پر بیچے کہ اس کے عیب اور خرابی سے اسے آگاہ نہ کرے''۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے کوئی عیب دار چیز اس کا عیب بیان کیے بغیر فروخت کردی، اس پر اللہ کی ناراضی ہوگی اور فرشتے اس پر ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے''۔ یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ نے روایت کی ہیں۔ اسی طرح ترمذی شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں''۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔ ان اہل علم کے نزدیک دھوکا مکروہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ دھوکا حرام ہے، تاہم اگر بائع نے کوئی عیب دار چیز بیچی اور اس کا عیب بیان نہیں کیا تو ایسی بیع اکثر اہل علم کے نزدیک درست ہے۔ یہ نقطۂ نظر امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، اور امام شافعیؒ کا ہے۔ ابوبکر عبدالعزیز سے روایت ہے کہ ایسا سودا باطل ہے، کیونکہ دھوکے سے منع کیا گیا ہے، اور ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ معاہدہ فاسد ہو۔ ہماری (حنابلہ کی) دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریہ، یعنی (تھنوں میں دودھ روک کر جانور کو بیچنے) سے منع فرمایا ہے، تاہم ایسی بیع درست ہے۔ روایت ہے کہ ابوبکر سے پوچھا گیا کہ آپ مصراۃ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔

عیب کی بنا پر سودا فسخ کرنے کا اختیار

اگر خریدار کو مبیع میں کسی ایسی خرابی کا علم ہوا جس سے سودا کرتے وقت وہ ناواقف تھا تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو سودا اسی حالت میں قبول کرلے، یا فسخ کردے، قطع نظر اس کے کہ بائع کو عیب کا علم تھا اور اس نے جان بوجھ کر چھپایا، یا اسے مطلقاً علم نہیں تھا۔ اس موقف کے بارے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں۔ تصریہ کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

مشتری کو حقِ فسخ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عیب اور خرابی کی صورت میں خریدار کو خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مطلق عقد کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت شدہ چیز عیب سے پاک ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام خریدا تو یہ تحریر لکھ کر دی: ''یہ ہے وہ جو محمد بن عبداللہ نے العداء بن خالد سے خریدا ہے۔ اس سے ایک غلام یا لونڈی خریدی ہے، اس میں نہ تو کوئی بیماری ہے نہ بدکرداری۔ یہ مسلمان کی مسلمان کو بیع ہے''۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان کا سودا عیب سے پاک ہوتا ہے۔ کسی چیز کی اصل حالت اس کا عیب سے پاک ہونا ہے۔ عیب ایک عارضی واتفاقی امر ہے جو اصل کے خلاف ہے۔ اگر معاہدہ مطلق ہو، یعنی عیب کے ذکر سے خالی ہو تو اسے (معاہدے کو) اپنی اصل پر محمول کیا جائے گا، اور وہ ہے مبیع کا عیب سے پاک ہونا، (یعنی یہ سمجھا جائے گا، گویا معاہدے میں یہ شرط موجود ہے کہ مبیع عیب اور خرابی سے پاک ہوگی)۔ اگر عیب سے پاک ہونے کی یہ صفت مبیع میں موجود نہ ہوئی تو معاہدے کا مقصد فوت ہو جائے گا، لہٰذا اب یہ درست نہیں ہے کہ خریدار اپنے نقصان کے بقدر قیمت لے کر اس چیز کو رکھ لے۔ پس ضروری ہے کہ یا تو وہ مبیع واپس کر دے یا پوری طے شدہ قیمت پر وہ چیز رکھ لے۔

(المغنی ٦: ٢٢٤-٢٢٦)

خیارِ عیب کے استعمال کی حدود

سودا ہو جانے کے بعد اگر خریدار کو مبیع میں کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو پوری قیمت دے کر وہ چیز لے لے، یا چاہے تو اسے واپس کر دے، کیونکہ معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ مبیع نقص وعیب سے پاک ہو۔ نقص وخرابی کی صورت میں خریدار کو اختیار فسخ وقبول حاصل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز لینے کا پابند کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتا، اسے نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ خریدار کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ چیز تو اپنے پاس روک رکھے اور عیب کے مقابلے میں قیمت کا جو حصہ بنتا ہے، وہ بائع سے وصول کر لے، کیونکہ اوصاف مبیع کا تقابل قیمت سے نہیں کیا جا سکتا کہ وصف میں کمی بیشی کی بناء پر قیمت میں بھی تغیر آ جائے۔ قیمت کو اصل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وصف کو تابع کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بائع بھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ وہ اپنی مقرر کردہ قیمت سے کم وصول کر لے، اور چیز اس کی ملکیت سے نکل جائے، کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہے۔ اگر خریدی ہوئی چیز بائع کو واپس کر دی جائے تو اس سے خریدار کو نقصان سے بچایا جا سکتا ہے، اور اس سے بائع کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

امام قدوری نے فرمایا کہ تاجروں کے عرف میں جو چیز قیمت میں کمی کا باعث بنے، وہ عیب ہے (کوئی ایسی چیز جو مبیع، یعنی تجارتی سامان کی قیمت کو گھٹاتی ہو، عیب ہے)، کیونکہ ضرر کا تعلق چیز کی مالیت میں کمی سے ہوتا ہے۔ اس قیمت کی معرفت کا دارومدار اہل تجارت کے عرف پر ہے۔ (الهدایه ۳: ۳۶)

امام قدوری نے فرمایا کہ جب مبیع میں مشتری کے ہاں کوئی خرابی پیدا ہو۔ اسی دوران میں اسے مبیع میں پرانے عیب کا پتہ چلے جو بائع کے ہاں تھا تو مشتری کو مبیع واپس کرنے کا اختیار نہیں۔ وہ بائع سے عیب کے بقدر ادا شدہ قیمت واپس لے سکتا ہے۔ بائع کو مبیع واپس کرنے کی ممانعت اس بناء پر ہے کہ اس طرح بائع کو نقصان ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مبیع اس کی ملکیت سے نکلی تھی تو وہ موجودہ نقص سے (جو مشتری کے ہاں ظاہر ہوا ہے) خالی تھی، مگر اب واپسی ناقص حالت میں ہوگی، لہٰذا واپسی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ، چونکہ مشتری کے نقصان کی تلافی بھی ضروری ہے، لہٰذا اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے نقصان کے بقدر بائع سے رقم وصول کر لے۔ اگر بائع خود موجودہ عیب کے باوجود چیز واپس لینے پر راضی ہو تو واپس کرنا درست ہے۔ اس کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بائع خود اپنے نقصان پر رضامند ہے۔

اگر کسی شخص نے کپڑا خریدا، بعد میں اسے (سینے کی غرض سے) کاٹ دیا۔ کاٹنے کے بعد اسے نقص کا پتہ چلا تو خریدار نقص کے مطابق قیمت میں کمی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ خریدار کپڑا واپس نہیں کر سکتا، کیونکہ کپڑے کو کاٹ دینے کی وجہ سے اب واپسی ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاٹنا خود ایک نیا عیب ہے جو کپڑے میں پیدا ہو گیا ہے، تاہم اگر بائع کہے کہ مجھے کاٹا ہوا کپڑا ہی منظور ہے تو کپڑے کی واپسی جائز ہے۔ ممانعت محض بائع کے حق کی حفاظت کے لیے تھی، اب

چونکہ وہ خود اس پر راضی ہے، تو یہ واپسی درست ہے۔

اگر مشتری مذکورہ کپڑے کو فروخت کر دے تو اب بائع سے کچھ نہ لے سکے گا، کیونکہ بائع کی رضا مندی کی صورت میں ہی اس کی واپسی ممکن تھی۔ اب اگر اس نے مبیع اسے واپس نہیں کی تو گویا خریدار اپنی مرضی سے مبیع کو رکھے ہوئے ہے، اور اسے بیچنے کی صورت میں وہ اپنے پچھلے نقصان کی تلافی کا بائع سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اگر مشتری نے کپڑا کاٹ کر سی لیا، یا اسے رنگ دیا، یا خرید کردہ ستو کو گھی میں ملا دیا، بعد میں اسے عیب کا پتہ چلا تو بقدر نقصان بائع سے رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ مبیع میں مذکورہ اضافے اور تبدیلی کی بناء پر وہ اسے واپس نہیں کر سکتا۔ اب یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ رنگ کو کپڑے سے اور گھی کو ستو سے جدا کر لے، لہٰذا واپسی ممکن نہیں۔

نیز بائع کے لیے بھی جائز نہیں کہ اضافے کے ہوتے ہوئے مبیع واپس لے، کیونکہ یہ ممانعت حق شرع کی حفاظت کی بناء پر ہے، بائع کے حق کی بناء پر نہیں۔ (الھدایۃ ۳:۳۷)

خیارِ عیب کے استعمال کی مدت

عیب کی بناء پر خرید کردہ چیز کو واپس کرنے کا حق تاخیر سے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو عیب کا علم ہوا، اور اس نے چیز واپس کرنے میں تاخیر کر دی، تو اس سے اس کا حقِ واپسی باطل نہیں ہوگا۔ ہاں! البتہ اگر اس سے کوئی ایسا تصرف صادر ہو جائے جو سودے پر اس کی رضا مندی کو ظاہر کرے تو تب اس کا حق واپسی ختم ہو جائے گا۔ یہ بات ابو خطاب نے کہی ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ کے قول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں دو آراء ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ عیب کی بناء پر چیز کی واپسی میں تاخیر جائز ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ واپسی فوراً ہونا چاہیے۔ یہ امام شافعی کا مسلک بھی ہے۔ اس دوسرے موقف کی رو سے خریدار پر لازم ہے کہ جیسے ہی وہ عیب سے آگاہ ہو، مبیع بائع کو واپس کر دے۔ اگر اس نے واپسی کو ممکن ہونے کے باوجود مؤخر کر دیا تو اس کا خیار عیب باطل ہو جائے گا، کیونکہ یہ بات مبیع پر اس کی رضا مندی اور اطمینان کو ثابت کرتی ہے، لہٰذا اس کا خیار ساقط ہو گیا۔ یہ ایسے ہی سمجھا جائے گا، جیسے اس نے مبیع میں کوئی تصرف کر لیا ہے۔ ہم

(حنابلہ) یہ کہتے ہیں کہ خیار عیب عملاً ایک واقع ہو جانے والے نقصان کی تلافی کے لیے ہے، قصاص کی طرح اس کے استعمال میں بھی تاخیر جائز ہے۔خریدار کا چیز کو روکے رکھنا ہمارے نزدیک رضامندی کی دلیل نہیں۔ (المغنی ٦:٢٢٦)

مشتری کو کن صورتوں میں خیار عیب حاصل ہوتا ہے؟

۱- مبیع میں عیب بیع کے وقت یا اس کے بعد، لیکن مشتری کو اس کا قبضہ دینے سے پہلے موجود ہو۔ اگر یہ عیب قبضہ لینے کے بعد مشتری کے ہاں پیدا ہوا تو اس سے خیار ثابت نہیں ہوگا۔خیار عیب اس بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ از روئے عقد مبیع کو عیب وخرابی سے پاک ہونا چاہیے۔مبیع میں عیب کا مطلب معاہدے کی ایک صفت وشرط کا فوت ہونا ہے۔اس ضروری صفت وشرط کے فوت ہونے کی بنا پر مشتری کو خیار عیب حاصل ہوتا ہے۔

۲- ایک شرط یہ ہے کہ عقد اور قبضے کے وقت مشتری اس عیب سے ناواقف ہو۔اگر وہ ان اوقات میں عیب کی موجودگی سے واقف تھا تو اس کا خیار عیب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ عیب اور خرابی کا علم ہونے کے باوجود اسے خریدنا رضامندی کی دلیل ہے۔اگر مشتری کو معاہدے کے وقت تو عیب کا علم نہیں تھا، لیکن قبضہ لیتے وقت اسے علم ہو گیا، تب بھی اسے اختیار فسخ حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ سودا قبضے یا سپردگی سے ہی عملاً مکمل ہوتا ہے، لہٰذا قبضے کے وقت علم معاہدے کے وقت علم کی طرح سمجھا جائے گا۔

۳- ایک شرط یہ بھی ہے کہ معاہدے کے وقت بائع نے عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط عائد نہ کی ہو۔کیوں کہ ہمارے نزدیک عیب سے بری ہونے کی شرط درست ہے تو جب اس (مشتری) نے اس (بائع) کو بری کر دیا تو اس نے گویا اپنا حق ساقط کر دیا، لہٰذا اس کا ساقط کرنا درست ہے، اور ضرورتاً وہ حق ساقط ہو جائے گا۔

عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط

حنفی نقطۂ نظر

امام قدوری نے فرمایا کہ ایک شخص نے کوئی سامان فروخت کیا اور ساتھ ہی تمام عیوب

سے بری الذمہ ہونے کی شرط لگائی تو اب مشتری کسی عیب کی بناء پر واپس نہیں کر سکتا، چاہے بائع نے عیوب کی نام بنام نشان دہی نہ کی ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بری الذمہ ہونے کی شرط عائد کرنا درست نہیں۔ ان کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ حقوق مجہولہ سے براءت درست نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابراء، یعنی بری کر دینے میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں، کیوں کہ رد کر دینے سے وہ برأت رد ہو جاتی ہے، اور مجہول چیز کا مالک بنانا درست نہیں ہوتا۔

ہماری (یعنی احناف کی) دلیل یہ ہے کہ کسی حق کے ساقط کرنے کے معاملے میں لاعلمی کسی جھگڑے اور نزاع کا موجب نہیں ہوتی، اگر چہ اس میں ضمناً تملیک ہی کیوں نہ موجود ہو، کیوں کہ اس صورت میں کسی چیز کے سپرد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ لاعلمی یا ابہام عقد کو فاسد کرنے کا موجب نہیں بنتے۔ (الهداية ٣: ٤١)

عیوب جن پر اس شرط کا اطلاق ہوگا۔

اگر بائع نے بری الذمہ ہونے کی شرط کو ایسے عیب کے ساتھ منسلک کیا جو عقد کے وقت موجود ہو تو یہ شرط عقد کے بعد اور قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والے عیب کو بالاتفاق شامل نہ ہوگی، خواہ یہ براءت عمومی نوعیت کی ہو، جیسے اس نے کہا کہ ”میں مبیع میں موجود ہر عیب سے بری الذمہ ہوں“، یا کسی خاص عیب سے متعلق ہو جیسے وہ یوں کہے: ”میں فلاں عیب سے متعلق ذمہ دار نہیں ہوں“ (ان دونوں صورتوں میں عقد کے بعد اور قبضے سے پہلے پیدا ہونے والے عیب پر شرط (مذکورہ کا اطلاق نہیں ہوگا)، کیوں کہ کسی صفت کے ساتھ مقید لفظ اس صفت کے تحت نہ آنے والے مفہوم کو شامل نہیں ہوتا۔ اگر اس نے اپنے الفاظ کو مطلق رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں عقد کے وقت موجود اور بعد میں پیدا ہونے والے عیوب داخل ہوں گے، اور امام محمد کے نزدیک نیا پیدا ہونے والا عیب اس میں داخل نہ ہوگا، اور خریدار کو اس کی بناء پر چیز واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ یہی قول امام زفر کا ہے۔ (بدائع الصنائع ٥: ٢٧٧)

خیارِ عیب ساقط ہونے کے اسباب

وہ امور جن سے عیب کی بناء پر مبیع کی واپسی کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور بیع لازم ہو جاتی ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

۱- عیب کے معلوم ہو جانے کے بعد اس پر راضی ہو جانا۔ مشتری کو عیب دار چیز واپس کرنے کا اختیار اس بناء پر ہوتا ہے کہ عقد کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع عیب ونقص سے پاک ہو۔ جب مشتری کو مبیع میں عیب کا علم ہوا اور وہ معلوم ہو جانے کے بعد اس پر راضی ہو گیا تو گویا اس نے عیب ونقص سے پاک ہونے کی شرط معاہدے میں رکھی ہی نہ تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ خیار عیب تو مشتری کو لاحق ہونے والے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جب وہ عیب دار چیز پر راضی ہو گیا تو گویا اس نے خود اپنے مفاد کا خیال نہیں رکھا، اور وہ خود اپنے نقصان پر راضی ہے۔

پھر رضا مندی دو طرح کی ہوتی ہے: اول صریح رضامندی، دوم: وہ رضا مندی جو صریح تو نہیں، لیکن از روئے دلالت صریح کے مفہوم میں ہے۔ اوّل الذکر کی مثال یہ ہے کہ خریدار کہے کہ میں اس عیب پر راضی ہوں، یا مجھے یہ سودا منظور ہے، یا ایسے دیگر الفاظ استعمال کرے جو ان الفاظ کے قائم مقام ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عیب کا علم ہو جانے کے بعد خریدار مبیع میں کوئی ایسا تصرف کرے جو اس کی رضا مندی کو ثابت کرتا ہو، جیسے اگر وہ کپڑا ہے تو اسے کو رنگ لے، یا کاٹ دے، یا اگر وہ ستو ہیں تو کسی اور چیز کے ساتھ ملا دے، اگر وہ زمین ہے تو اس پر مکان بنا دے، اگر وہ گندم ہے تو اسے پیس دے، گوشت ہے تو اسے بھون دے، یا کوئی اور ایسا تصرف کرے جس سے وہ چیز بائع کی ملکیت سے نکال دے، چاہے اسے عیب کا علم ہو یا نہ ہو، جیسے مبیع کو آگے فروخت کر دے، یا ہبہ کر دے، یا کسی اور کو سپرد کر دے، اگر وہ غلام ہے تو اسے آزاد کر دے، یا اس کو مکاتب، مدبر یا ام ولد بنا دے۔ عیب کا علم ہو جانے کے بعد ایسے تصرفات کرنا اس کی رضا مندی کی دلیل ہے اور ان میں سے ہر ایک امر اس کے حق واپسی کو باطل کر دیتا ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۲۸۱-۲۹۲)

اگر خرید کردہ چیز مکان ہو اور مشتری نے عیب کا علم ہو جانے کے باوجود اس میں سکونت اختیار کی، یا اس کے کسی حصے کی مرمت کرائی، یا کسی حصے کو گرایا تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔ **مختصر الطحاوی** کی بعض شروح میں سکونت سے متعلق دو روایات مروی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مبیع میں ہر ایسا تصرف جو مشتری خرید کردہ چیز میں عیب کا علم ہو جانے کے بعد کرے، اور عیب پر اس کی رضامندی کو ظاہر کرے، خیار کو ساقط کرنے کا باعث بنتا ہے، اس کے نتیجے میں بیع لازم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲- خیار کا صریح الفاظ میں ساقط کرنا۔ خیار کو صریح الفاظ میں، یا ایسے الفاظ میں جو ان کے قائم مقام ہوں، ساقط کرنے سے بھی خیار ختم ہو جاتا ہے، جیسے مشتری کہے: ''میں نے خیار ساقط کر دیا ہے یا میں نے اس کو باطل کر دیا ہے، یا میں نے بیع کو لازم کر دیا''، یا ایسے الفاظ کہے جو ان الفاظ کے قائم مقام ہوں۔ خیار عیب انسان کا حق ہے اور انسان اپنے حق کی وصولی اور اس کے اسقاط کے متعلق تصرف کا حقدار ہوتا ہے۔

۳- مشتری کا بائع کو عیب سے بری الذمہ کرنا۔ یہ مشتری کا اپنے حق کو ساقط کرنا ہے اور اسے اپنا حق ساقط کرنے کا اختیار ہے، نیز یہ کہ محل خیار حق اسقاط کو قبول کرتا ہے۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ خیار عیب صریح الفاظ میں اسقاط کے ساتھ کس طرح ساقط ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر مشتری نے اسے ساقط کر دیا، (یعنی اسے عیب سے بری الذمہ قرار دے دیا) تو خیار ساقط ہو جائے گا۔

۴- مبیع کے ہلاک ہونے سے بھی خیار عیب ساقط ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ چیز ہی نہیں رہی جسے عیب کی بنا پر واپس کیا جانا تھا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۲۸۲-۲۸۳)

اصطلاحاتِ کتاب

احتکار	ذخیرہ اندوزی
ام ولد	ایسی لونڈی جو اپنے آقا کے بچے کی ماں ہو۔
اقالہ	فریقین کا باہمی رضامندی سے سودا منسوخ کرنا
ایجاب	معاہدے کی پیشکش
باطل معاہدہ	وہ معاہدہ جو اپنے ارکان اور خارجی اوصاف میں شریعت کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو۔
بیع باطل	دیکھیے: باطل معاہدہ
بیع تعاطی	مبادلہ یا لین دین کے فعل کے ذریعے طے پانے والا سودا
بیع حبل الحبلہ	جانور کے ہونے والے بچے کے بچے کی فروخت
بیع الحصاۃ	زمانۂ جاہلیت کی بیع جس میں کنکریاں پھینک کر سودا کیا جاتا تھا۔
بیع الحمل	حاملہ جانور کے پیٹ میں بچے کی فروخت
بیع سلم	ایسا سودا جس میں فروخت کی گئی چیز مستقبل میں کسی معین وقت پر سپرد کی جاتی ہے، جبکہ قیمت پیشگی ادا کی جاتی ہے۔
بیع السنین	غیر معینہ مدت یا اگلے کئی سالوں کے لیے درختوں کے پھل بیچنا
بیع عربون	ایسا سودا جس میں رقم کا کچھ حصہ پیشگی ادا کیا جائے اور معاہدے میں یہ شرط ہو کہ اگر مشتری نے مقرر وقت پر رقم نہ ادا کی تو بائع کو بیعانے کی رقم ضبط کرنے کا اختیار ہوگا۔
بیع عینہ	سودی قرض کی خاطر کوئی چیز زیادہ قیمت پر ادھار فروخت کرنا اور پھر فوراً وہی چیز کم قیمت پر نقد خرید لینا

بیع غرر	غیر یقینی امور پر مشتمل سودا
بیع مرابحہ	قیمت خرید پر ایک متعین اضافے کے عوض چیز کی فروخت
بیع مساومہ	بھاؤ تاؤ کے نتیجے میں طے ہونے والی قیمت پر مشتمل بیع
بیع موقوف	ایسی بیع جس کا نفاذ کسی امر پر موقوف ہو۔
بیع وضیعہ	قیمت خرید سے کم پر چیز کو فروخت کرنا
بیع فاسد	ایسی بیع جو ارکان کے اعتبار سے جائز ہو، مگر خارجی اوصاف کے لحاظ سے شریعت کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو۔
ثمنیت	فروخت شدہ اشیاء کی ثمن بننے کی صلاحیت
جعالہ	کسی کام کے کرنے پر انعام کا وعدہ
حجر	عدالت کی طرف سے کسی فرد کے مالی تصرفات پر پابندی
حوالہ	قرض کی ایک فرد سے دوسرے فرد کی طرف منتقلی
خیارِ رویت	بن دیکھے خریدی گئی چیز کو دیکھنے پر رد کرنے کا حق
خیارِ شرط	کسی فریق کا معاہدے کو ایک مخصوص مدت میں فسخ کرنے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھنا
خیارِ عیب	خریدی گئی چیز میں کسی عیب کی بناء پر سودا فسخ کرنے کا اختیار
خیارِ غبن	سودے میں دھوکے کی بناء پر اسے فسخ کرنے کا حق
خیارِ مجلس	فریقین کا مجلس معاہدہ میں معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار
رشد	مالی معاملات میں سمجھ بوجھ اور راستی
سَلَم	دیکھیے: بیع سَلَم
سفیہ	مالی معاملات میں سمجھ بوجھ سے عاری شخص اور فضول خرچ
صبی ممیّز	سات سال سے اوپر کی عمر کا نابالغ بچہ جو مالی معاملات میں نفع ونقصان کی تمیز رکھتا ہو۔

عربون	بیعانہ
عقدِ تبرع	ایسا معاہدہ جس میں کسی کو کوئی چیز بلا معاوضہ دی جائے، جیسے ہبہ، وقف وغیرہ
عقدِ جائز	قابل فسخ معاہدہ
عقدِ صرف	ایک کرنسی کا دوسری کرنسی سے تبادلے کا معاہدہ
عقدِ لازم	ناقابل فسخ معاہدہ
عقدِ معاوضہ	ایسا معاہدہ جس میں کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی مالی عوض کے بدلے میں دیتا ہے
غرر	لاعلمی و غیر یقینیت
فضولی	وہ شخص جو کسی فرد کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی مالی معاہدہ کرے۔
کفیل	کسی کے قرض کا ضامن بننے والا شخص
نجش	قیمت بڑھانے کی غرض سے جھوٹی بولی دینا
مبیع	فروخت شدہ چیز/ قابل فروخت چیز
مزارعت	بٹائی کا معاہدہ
مضاربت	ایسی تجارتی شرکت جس میں ایک فریق کا راس المال ہو اور دوسرے فریق کی محنت
محیل	وہ مقروض شخص جو اپنا قرض کسی دوسرے فرد کی طرف منتقل کرتا ہے۔
مرتہن	قرض خواہ، جس کے پاس قرض لینے والا اپنی کوئی چیز رہن رکھتا ہے۔
معدوم	معاہدے کے وقت غیر موجود چیز
مصراۃ	وہ جانور جس کے تھنوں میں دودھ کو روک کر اسے بیچا جائے۔
مکاتب	ایسا غلام جس کا اپنے آقا کے ساتھ یہ معاہدہ ہو کہ وہ ایک متعین رقم ادا کرکے آزاد ہو جائے گا۔

مسترسل	وہ بائع اور مشتری جو قیمت سے ناواقف ہو، اور اچھی طرح بھاؤ تاؤ نہ کر سکتا ہو۔
محاقلہ	گیہوں کی متعین مقدار کے بدلے گیہوں کی کھیتی کا خریدنا
مزابنہ	کھجور کے درخت پر موجود پھل کا مقررہ وزن کی خشک کھجوروں سے مبادلہ
ودیعہ	کوئی چیز کسی کے پاس بطور امانت رکھنا

کتابیات

۱۔ قرآن کریم

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)
الجامع الصحیح
ریاض: دارالسلام

۳۔ بہوتی، منصور بن یونس بن ادریس البہوتی (م ۱۰۵۱ھ)
کشاف القناع عن متن الاقناع
مصر: مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، ۱۹۴۸ء

۴۔ ترمذی، محمد بن عیسی الترمذی (م ۲۷۹ھ)
الجامع (تحقیق: احمد شاکر)
بیروت: داراحیاء التراث العربی

۵۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم عبدالسلام بن تیمیہ (م۷۲۹ھ)
القواعد النورانیة الفقهیة (تحقیق: محمد حامد الفقی)
لاہور: ادارہ ترجمان السنۃ، طبع اوّل، ۱۹۸۲ء

۶۔ ابن جزی، محمد بن احمد بن جزی الغرناطی (م ۷۴۱ھ)
قوانین الأحکام الشرعیة ومسائل الفروع الفقهیة
بیروت: دارالعلم للملایین، ۱۹۶۸ء

۷۔ خطیب، محمد الشربینی الخطیب
مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج
بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن

۷۔ دردیر، علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر

الشرح الصغیر علی أقرب المسالک

قاہرہ: دارالمعارف، ۱۳۹۳ھ

۸۔ ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد، ابن رشد القرطبی (م ۵۹۵ھ)

بدایة المجتھد و نہایة المقتصد

لاہور: المکتبة العلمیة، طبع دوم، ۱۹۸۴ء

۹۔ رافعی، ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الرافعی (م ۶۲۳ھ)

العزیز شرح الوجیز (تحقیق و تعلیق: الشیخ علی محمد معوض

والشیخ عادل احمد عبدالموجود)

لبنان: ، دارالکتب العلمیة، طبع اوّل، ۱۹۹۷ء

۱۰۔ رملی، شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ (م ۱۰۰۴ھ)

نہایة المحتاج الی شرح المنہاج

بیروت: المکتبة الاسلامیة، س ن

۱۱۔ سرخسی، شمس الائمة محمد بن احمد السرخسی (م ۴۸۳ھ)

کتاب المبسوط

بیروت: دارالمعرفة للطباعة والنشر، طبع سوم، ۱۹۷۸ء

۱۲۔ کاسانی، امام علاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی (م ۵۸۷ھ)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، س ن

۱۳۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ (م ۶۲۰ھ)

المغنی فی فقه الامام احمد بن حنبل

قاہرہ: حجر للطباعة والنشر والتوزیع والاعلان، طبع اوّل

۱۹۹۰ء

١٤۔ قرافی، شہاب الدین ابی العباس احمد بن ادریس (م ٦٨٣ھ)

الفروق ۔

١٥۔ ابن القیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر (م ٧٥١ھ)

اعلام الموقعین عن رب العالمین،

مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری: ١٩٥٥ء

١٦۔ محمد امین، علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین (م ١٢٥٢ھ)

تکملۃ ردالمحتار المسماۃ قرۃ عیون الأخیار

بیروت: داراحیاء التراث العربی، طبع اوّل، ١٩٩٨ء

١٧۔ مرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی ابن ابی بکر بن عبدالجلیل (م ٥٩٣ھ)

الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی

بیروت: المکتبۃ الاسلامیۃ، س ن

١٨۔ ابن ماجہ، سلیمان بن الأشعث (م ٢٧٥ھ)

السنن

١٩۔ مسلم، مسلم بن حجاج النیسابوری

الجامع الصحیح

٢٠۔ نووی، ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی (م ٦٧٦ھ)

المجموع شرح المھذب

بیروت: ، دارالفکر، س ن

٢١۔ ابن الھمام، عبدالحمید بن مسعود (م ٨٦١ھ)

فتح القدیر

کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن

زیرنظر کاوش احکام بیع کے مرتب ڈاکٹر محمد طاہر منصوری نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔اسلام آباد سے ایل ایل۔ایم اور پنجاب یونیورسٹی۔لاہور سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی سند لی ہے۔اسلامی فقہ وقانون میں انہیں تخصص حاصل ہے۔ان کی تصنیفی کاوشوں میں ایک Islamic Law of Contract and Business Transaction (اشاعت ۲۰۰۰ء) ہے۔ایک دوسری کتاب المدخل الی الفقہ المصرفی (اشاعت ۲۰۰۱ء) میں وہ شریک مصنف ہیں۔ان دنوں ادارہ تحقیقات اسلامی۔اسلام آباد کے شعبہ قانون وفقہ کے سربراہ کے طور پر علمی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اسلام کی نگاہ میں انسان کا مال اسی طرح محترم ومقدس ہے جس طرح اس کی جان اور عزت وآبرو مقدس ہیں۔اسلام دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، اور باہمی رضامندی سے طے پانے والے معاہدۂ خرید وفروخت کو حصول مال کا ایک جائز وسیلہ قرار دیتا ہے۔

قرآن وسنت سے مستنبط فقہ اسلامی کے ذخیرے میں جائز وناجائز مالی معاملات پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔فقہائے کرام نے کسب مال کے جو جائز ذرائع بیان کیے ہیں، ان میں معاہدۂ بیع وشراء، ہبہ، وصیت اور وراثت وغیرہ شامل ہیں۔

زیرنظر کتاب میں بیع سے متعلق اہم احکام فقہائے کرام کے غور وتدبر کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔کتاب کا مواد فقہ کی بنیادی اور مستند کتابوں سے لیا گیا ہے۔عربی اقتباسات کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ترجمے کی زبان رواں، سادہ، سہل اور عام فہم ہو، اور اس کے ساتھ ہی مختلف مسائل پر فقہاء کا نقطۂ نظر ممکنہ صحت واحتیاط کے ساتھ نقل کیا جائے۔